

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(الحجرات ۱۲، رکوع ۱۱)



ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر

جس میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، اور قرآن کریم کو غلط مانتے ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

تالیف

مجلد نویں شیف الدہیانوی

علامہ بنوری ٹاؤن ○ کراچی ۵



سواد اعظم اہل سنت پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

یہ کتاب، عقیدہ لا تبریری

(www.aqeedeh.com)

سے ڈانلوڈ کی گئی ہے۔

مؤلفه : محقق اہلسنت مولانا مہر محمد صاحب

۲۴/-	۳۵۲	صفتیں قیمت	عظمت صحابہ کے منفقہ عقیدہ پر خاص علمی و تحقیقی کتاب مجلد
۱۲/-	۱۷۶	روشنی میں	قرآن و سنت اور اجماع کی تحفہ اثنا عشریہ کے طرز پر جدید
۳۵/-	۲۸۰	اسلوب میں جامع کتاب	شیعہ کے ایک سو دس سوالات کے محکم و مدلل جواب
۲۲/-	۳۲۰	نگاہ اسلام ماتم و دعا پر	۱۷۵ ادلائل سے فیصلہ کن بحث حقانیت مذہب پر دلچسپ
۱۰/۵۰	۱۹۰	تحریری مناظرہ	تبلیغِ مذہب کے لیے زبردست ہتھیار
۹/-	۱۴۴	مشہور چوبیس اعتراضات	کا جواب -
۲/۵۰			

نوٹ: تحفۃ الاخیار کا سائز $\frac{30 \times 40}{16}$ ہے اور باقی کتابوں کا سائز $\frac{22 \times 18}{9}$ ہے۔

ردّرفض و بدعت کے تمام { مکتبہ عثمانیہ } مؤلفین کی کتابیں ملنے کا پتہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(الحجر پ ۱۲، رکوع ۱)



ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر

جس میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قابل ہیں، اور قرآن کریم کو غلط مانتے ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرامؓ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

تالیف

مُحَمَّدٌ يُوسُفُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ

علامہ بنوری ٹاؤن ○ کراچی ۵



سواد اعظم اہل سنت پاکستان

سنانی روایت
 محمد بن عثمان بن احمد
 ابو اسحاق بن احمد بن
 ناسخه بن احمد بن
 روایت بالاصح
 رحمه الله
 ۴۹
 عز علی بن ابراهیم
 افضل
 ۵۰
 جنت در زمانه
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى: حال میں جناب سید فرمان علی شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن کریم مع فوائد تفسیریہ نظر سے گزرا، جو "پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ - ۱۳۹ فاران ہاؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی ۵" کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ پون صدی پہلے لکھا گیا تھا اور اسی زمانے میں مطبع نظامی سے شائع ہوا تھا، اب جناب سید نجم الحسن کراچی (پشاور) کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد دوبارہ شائع ہوا ہے۔ موصوف "سرفظ" کے زیر عنوان اس ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کا زیر نظر ترجمہ حضرت علامہ حافظ سید فرمان علی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ (چندن بیٹی ضلع درہنگہ، صوبہ بہار، بھارت) کا کیا ہوا ہے اگرچہ علامہ موصوف بے پناہ قابلیت و صلاحیت کے مالک تھے اور ان کا ترجمہ قرآن بھی بے انتہا خوبیوں سے بھرپور ہے اور بڑے بڑے علماء نے اسے سراہا اور تمام اردو ترجموں کا سرتاج قرار دیا جن میں فقیہ اعظم حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد، عمدۃ المتأملین حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید ظہور حسین صاحب، قبلہ مجتہد، و شمس

العلماء حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد، و شمس العلماء حجتہ الاسلام حضرت مولانا سید نجم الحسن قبلہ مجتہد، و عمدۃ العلماء حجتہ الاسلام حضرت سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلیٰ اللہ مقامہ شامل ہیں؛ اس ترجمہ پر نظر ثانی کی ضرورت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن بمقوله "الانسان مرکب من الخطاء والنسيان" ترجمہ اور حواشی میں بھول چوک اور تسامح بعید از امکان نہیں۔۔۔ علامہ موصوف نے لازماً ترجمہ کرتے وقت تفاسیر محمد و آل محمد اور ان کے پاکیزہ ارشادات کو سامنے رکھا ہو گا لیکن بمقتضائے بشریت کسی مقصد، مطلب اور مفہوم کا نظر انداز ہو جانا غیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مقام پر حواشی میں تسامحات ہو گئے جن کی طرف نہ صرف ناچیز بلکہ خطیب اعظم حضرت مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی، حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ جوہر اور حجتہ الاسلام حضرت مولانا آغا مرزا مہدی حسن صاحب قبلہ پویا اور بہت سے دیگر علماء کرام متوجہ تھے اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ اس بے نظیر ترجمہ کو نظر ثانی کے بعد اس کے شایان شان انداز میں زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔۔۔"

اس ترجمہ پر متعدد حضرات کی تقریظیں ثبت ہیں جن کے کلام القاب کے ساتھ اس طرح لکھے گئے ہیں۔

۱ حضرت حجتہ الاسلام سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ

مجتہد العصر

- ۲۔ حضرت حجۃ الاسلام سرکار مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد
- ۳۔ حضرت حجۃ الاسلام سرکار مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد
- ۴۔ حجۃ الاسلام عمدۃ العلماء جناب مولانا السید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر۔
- ۵۔ صدر المحققین ناصر الملتی والدین شمس العلماء جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ۔

اس ترجمہ کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے:-

”اگر کتاب اللہ اردو میں نازل ہوتی تو آپ کے ترجمہ میں اور اس میں ایک نقطہ کا فرق نہ ہوتا“ (ص ۱۷۱)

دین کی دو بنیادیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے بعد آپ کی چھوڑی ہوئی دو چیزیں دنیا میں موجود تھیں، ایک کتاب اللہ جو حق تعالیٰ نے آپ پر ۲۳ سال میں نازل فرمائی اور جس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ دوسری آپ کی جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت سے تیار کی، جس کی اصلاح و تربیت براہ راست وحی الہی کی نگرانی میں ہوئی، اور جسے آزمائش و امتحان میں پورا اترنے کے بعد ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ کے تاج کرامت سے سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے لئے ہوئے دین کے قائم و دائم رہنے کا مدار انہی دو چیزوں پر

تھا ”کتاب اللہ“ اور ”جماعت نبی“ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ظاہر ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتاب اللہ اپنی صحیح حالت میں محفوظ نہیں رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام باقی نہیں رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت اور فیضانِ نبوت کے نتیجہ میں قدوسیوں کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اور جن پر آپ کے بعد اسلام کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری عائد ہوئی ان کے بارے میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ پوری کی پوری جماعت یا اس کی غالب اکثریت خدا اور رسول سے منحرف ہو گئی تھی تو اس کا نتیجہ بھی اسلام کا خاتمہ ہے۔ کیونکہ بعد والوں کو جو کچھ ملا انہی کے واسطے سے ملا، وہی قرآن کے ناقل ہیں، انہی سے احادیث مروی ہیں۔ انہی سے دین کی ایک ایک بات منقول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور آپ پر قرآن کریم کے نزول کے عینی شاہد بھی وہی ہیں، پس اگر ”جماعت نبی“ لائق اعتماد نہ ہو تو نہ قرآن کریم لائق اعتماد رہتا ہے نہ دین اسلام کی کوئی بات، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا کوئی ثبوت باقی رہتا ہے اور نہ اس امر کا کہ قرآن کریم واقعاً آپ پر نازل ہوا تھا۔ الغرض اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائق اعتماد ہونے پر پورے دین کا مدار ہے۔ اگر قابل اعتماد ہیں تو دین بھی لائق اعتماد ہے اور اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔

ان دو بنیادوں کے بارے میں شیعہ مسلک:

فاضل ترجمہ نگار جس مکتب فکر کے ترجمان ہیں اس کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ دونوں چیزیں بگڑ گئیں، جماعت نبی بھی اور کتاب نبی بھی — جماعت نبی تو اس طرح بگڑ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الہی فلاں صاحب کو اپنے بعد اپنا جانشین اور بنادیا تھا۔ لیکن "جماعت نبی" میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس حکم کی تعمیل کی ہو، بلکہ سوائے تین چار کے باقی سب مرتد ہو گئے اور انہوں نے "وصی رسول" کی جگہ کسی دوسرے کو آپ کا جانشین بنا دیا اور یہ تین چار جو پچے مؤمن تھے انہوں نے بھی طوعاً و کرہاً اسی مرتد کی بیعت کر لی۔ بلکہ جن صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الہی اپنی جگہ نامزد کر گئے تھے اس نے بھی باسر مجبوری ایک مرتد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دئے۔ یوں پوری کی پوری "جماعت رسول" مرتد ہو گئی اور جو تین چار افراد ارتداد سے بچے تھے وہ بھی مرتدین کے حلقہ بگوش اطاعت بن گئے۔ — چونکہ کتاب نبی "انہی مرتدین کے قبضہ میں تھی انہی کے زمانے میں جمع و تدوین ہوئی اس لئے اس میں جس طرح چاہا تصرف کیا اس طرح کتاب اللہ بھی تحریف و تبدیل سے پاک نہ رہی۔

شیعہ اور تقیہ

اس مسلک میں اخفا اور پردہ داری کی خاص اہمیت ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ اس مسلک کا اصل عقیدہ راز سر بستہ رہے

اور کسی طرح منظر عام پر نہ آئے۔ چنانچہ اخفاء و تقیہ کو دین کے دس حصوں میں سے نو حصے قرار دیا گیا ہے اور اکابرین مسلک کی جانب سے اخفاء و تقیہ کی تاکید بلیغ فرمائی گئی ہے اس مسلک کے ایک بزرگ فرماتے ہیں:-

التقیة من دینی و دین آبتانی تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا فلا دین لمن لا تقیة له دین ہے۔ جو تقیہ سے کام نہ لے (اصول کافی، باب التقیہ ص ۲۱۵ ج ۲) وہ دین سے خارج ہے انہی بزرگ کا یہ بھی ارشاد ہے:-

ان تسعة اعشار المدين دین کے دس حصوں میں سے نو فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة حصہ (۱۰ دین) تقیہ میں ہے، (اصول کافی، باب التقیہ ص ۲۱۵ ج ۲) اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے اس لئے فاضل ترجمہ نگار نے اپنے مسلک کے اکابر کی ہدایت کے مطابق اخفاء و تقیہ کی کوشش کی ہے اس کے باوجود نوک قلم پر بعض ایسی چیزیں آگئی ہیں جن میں اخفاء و تقیہ کی احتیاط ملحوظ نہیں رہ سکی اور اصل عقیدہ کا اظہار کسی نہ کسی طرح ہو کر رہا۔ موصوف کی ایسی نگارشات کا استیعاب تو طویل بھی ہے اور غیر ضروری بھی یہاں بطور نمونہ قرآن کریم سے بد اعتمادی کے بارے میں موصوف کے خیالات ذکر کئے جاتے ہیں۔

پاکیزہ رکھنے کا حق ہے دیا پاک و پاکیزہ
رکھے (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ سے ماقبل بھی خطاب ازواج مطہراتؓ سے چلا آتا ہے اور مابعد میں بھی انہی سے خطاب ہے چلا گیا ہے، اس لئے لامحالہ اس آیت کا خطاب بھی انہی سے ہے، ازواج مطہراتؓ ہی کو "اہل بیت" کے ساتھ پکارا گیا ہے اور انہی سے ہر طرح کی برائی دور رکھنے اور پورے طور پر پاک و پاکیزہ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ پاک نبی کی پاک بیویاں "اہل بیت نبی" ہیں اصلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہن | اس لئے مسلمان جب بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج محترمت کا ذکر کرتے ہیں انہیں ازواج مطہراتؓ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا یہ اعلان کیونکہ جناب مترجم کے عقیدہ و مسلک کے خلاف ہے اس لئے پہلے تو وہ آیت کی غلط تائید کرتے ہیں اور پھر قرآن کریم پر تحریف کی تہمت لگاتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اس امر پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور شیعوں اور شیعوں میں

سے کوئی اس کا مخالف نہیں کہ اہل بیت رسولؐ حضرت علیؓ

جناب فاطمہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہیں اور اس میں بھی شک

نہیں کہ یہ آیت انہی بزرگواروں کے بارے میں نازل ہوئی، (۵۷)

موصوف کے یہ دونوں دعوے قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ اہل

بیت میں ایک متفق بھی اس کا قائل نہیں کہ اہل بیت رسولؐ صرف

یہی چار بزرگ ہیں، اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں جن "اہل

شیعہ اور قرآن

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں، بلکہ اسے تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب فرمان علی صاحب اور ان کے تقریظ کنندگان کے اقرار ملاحظہ فرمائیے:

مترجم کا پہلا اقرار

سورہ الاحزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہراتؓ کے بارے میں ہے اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے:

انما يريد الله ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت ويطهركم
قطمیرا (احزاب ۳۳)

لے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو
بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی)
برائی سے دور رکھے اور جو پاک و

— تحریف کر دی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں فرشتوں کا وہ مکالمہ مذکور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ سے ہوا اور جس میں اُن کو "اہل بیت" سے خطاب کیا گیا۔

رحمة الله وبركاته عليك اے اہل بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ (ہود ۷۳)

(ترجمہ فرمان علی)

اس کے حاشیہ میں مصنف لکھتے ہیں :

"اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں جتنا خطاب ہے حضرت سارہ کی طرف ہے واحد مؤنث کے صیغہ میں۔ اور اس آیت میں کھو جمع مذکر حاضر کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی۔"

یہاں بھی جناب مصنف نے اقرار کیا ہے کہ قرآن کریم میں تحریف کی گئی ہے اور جو آیت اس مقام کی نہیں تھی وہ یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو "اہل بیت" کہہ دیا تو یہ کوئی جرم نہیں تھا کہ قرآن کریم ہی کو غلط اور تحریف شدہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ عزیز ذو انتقام ہے "اہل بیت" سے دشمنی رکھنے والوں کے مقابلے میں اس نے اپنی کتاب مقدس کو پیش کر دیا کہ اس آہنی دیوار

سے ٹکرائے گا کہ اپنا سر بھوڑتے رہیں۔ — دکھی اللہ المؤمنین القتال۔

تیسرا اقرار

سورہ الم نشرح کی آیت کریمہ فاذا فرغت فانصب "قرآن کریم میں" فانصب "صاد کے فتح کے ساتھ ہے۔ لیکن فاضل مترجم اس کو صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"تو اب جب کہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جائنشین مقرر کر دیجیئے"

اور حاشیہ میں اس کا یہ مطلب لکھتے ہیں:

"خدا نے دوسرا احسان جتایا کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کام سمجھتے تھے۔ اس بنا پر اس خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمادیا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کرو لہ اس کے بعد

پھر خدا کی طرف رجوع کرو یعنی موت کی تیاری کرو" (ص ۱۱۰) (حاشیہ لکھی ہوئی)

مصنف کی یہ ساری تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ "فانصب" کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے، جب کہ قرآن کریم میں فانصب کا لفظ (زیر کے ساتھ) سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں تو "فانصب" فتح کے ساتھ ہے۔ اس لئے موصوف کی مندرجہ بالا تشریح غلط بنیاد پر ٹیڑھی عمارت کھڑی کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ مصنف نے خود ہی علامہ زرخشری کا یہ قول نقل کیا ہے:

ومن البدع ما روى عن بعض ائمة فافضوا بعض رافضیوں سے نقل کی گئی ہے
الرافضة انه قرأ فانصب بکسر الصاد۔ اے فانصب کہ اس نے "فانصب" کو صاد کے کسرہ علیاً للإمامۃ کے ساتھ پڑھ کر یہ مطلب بیان کیا کہ امام (ترجمہ فرمان علی ضمیمہ ص ۱)

لیکن مصنف نے ضمیمہ میں صفحہ ۲ سے صفحہ ۶ تک پورا زور قلم اس پر صرف کیا ہے کہ "فانصب" صاد کے کسرہ کے ساتھ صحیح ہے اور فتح کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے اس نے "فانصب" کے اعراب میں تحریف کر کے کسرہ کو فتح سے

لے یہ بھی عجیب تضاد ہے کہ ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے علی کی خلافت وزارت کے ذریعہ آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اب علی کو خلیفہ مقرر کر دو تم بلائے تم یہ کہہ کر کہ تم نے علی کو خلیفہ مقرر کر دیا اور اس حکم دہی سے گریز کرتے تھے بخود باشرطہ لیکن آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ مرض وفات میں اپنی جگہ ابو بکرؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کر کے حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کو ان کا مقتدی بنا دیا۔ اگر آپ حضرت علیؓ کو خلیفہ بناتے تو امام الصلوٰۃ بھی اپنی کو بناتے نہ کہ حضرت ابو بکرؓ

بدل دیا۔ (ضمیمہ حواشی ص ۴) گویا مصنف کو کھلے لفظوں میں اقرار ہے کہ اس مقام پر قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ فاضل مترجم کا یہ کہنا کہ یہاں "فانصب" بکسر صاد صحیح ہے اور بفتح صاد تحریف شدہ ہے، یہ قرآن کریم پر بہتان وافتراء ہے، چنانچہ خود ان کے ہم مسلک علامہ محمد جواد حنفیہ صاحب، "التفسیر الکاشف" میں لکھتے ہیں۔

وتجددہ الاشارة الى ان بعض المأجورین للفتنة وبث النعرات ہے کہ بعض کر لئے کے لوگ جنہیں بین اهل المذاهب الاسلامیہ فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے قد نسب الى الشيعة الامامية درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال انہم یفسرون کلمة فانصب کیا جاتا ہے انہوں نے شیعہ امامیہ فی الآیة الکریمہ بانصب کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ علیا للخلافة ویکفی فی الرد وہ اس آیت کریمہ کے لفظ "فانصب" علی هذا الافتراء ما قالہ کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علیؓ کو صاحب مجمع البیان، وهو من شیوخ المفسرین عند الشيعة الامامية۔ قال عند تفسیر هذه الآیة ما نصه بالحروف: ومعنی انصب من النصب: وهو التعب لا تشغل بالراحة

"انصب" کا لفظ نصب سے ہے۔

جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں،
یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔

انتہی بلفظہ

پوچھا اقرار

غور فرمائیے کہ فاضل مترجم تو فالنصب بفتح صاد کو غلط قرار دینے پر
تین چار صفحے سیاہ کرتے ہیں اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتا کر تحریف
شدہ ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بجائے فالنصب بکسر صاد کو صحیح بتاتے
ہیں۔ لیکن اُن کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افترأ
و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں فتنہ انگیز
اور کرانے کے لوگ کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور
حضرات اہل بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردہ تقیہ سے نکل کر
اپنے عقیدہ تحریف قرآن کا کچھ کچھ اظہار کر دیتے ہیں خود انہی کے
ہم مسلک لوگ (ازرا و تقیہ) ان کو فتنہ انگیز اور "کرانے کے لوگ"
کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افترأ قرار دیتے ہیں۔ و کفی اللہ
المؤمنین القتال۔ واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا کہ:
انکم علی دین من کتمہ۔ تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو
اعزہ اللہ۔ ومن اذاعہ چھپائے گا اللہ اس کو عزت دیگا اور
اذلہ اللہ (اصول کافی، باب جو شخص اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس
کو ذلیل کرے گا۔)

افسوس ہے کہ یہ حضرات "امام" کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور
اپنے اصل عقائد کا اظہار کر کے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی
ہم مسلک لوگوں کی زبان سے "فتنہ انگیز" اور "کرانے کے لوگ" کا

فاضل مترجم نے ایک طرف تو تین چار صفحات تک پورا زور قائم
اس بات پر صرف کر دیا کہ "فالنصب" کا لفظ بکسر صاد صحیح ہے اور بفتح
صاد غلط اور حجاج بن یوسف کا تحریف کردہ ہے۔ لیکن اپنی طویل تحریر
کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:-

"لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری
سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے"
(ضمیمہ حواشی ص ۵)

گویا "فالنصب" بفتح صاد ہے تو غلط، مگر جناب مصنف اور ان کے ہم
عقیدہ حضرات حکم "امام" کے مطابق غلط کو غلط ہی پڑھنے پر مجبور ہیں۔
جناب مصنف نے اس چھوٹے سے فقرے میں اشاروں و کنایوں
میں کئی اہم اور پتے کی باتیں کہہ ڈالی ہیں۔

ایک یہ کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن دو ہیں ایک "موجودہ قرآن"
جسے وہ قول امام کی بناء پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں، دوسرا اصلی قرآن
جو تحریف سے پاک ہے مگر دنیا سے غائب ہے۔ فاضل مترجم،
جس قرآن کو صحیح سمجھتے ہیں اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں اور
جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر وہ ایمان نہیں رکھتے بلکہ
اسے غلط اور تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔

دوم یہ کہ فاضل مترجم اپنے امام کی جانب سے اس امر کے

مکلف اور پابند ہیں کہ وہ موجودہ قرآن کو (مع اس کی تحریفات کے) اسی طرح پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ ہمارے خیال میں تو جناب محمد جواد حنفیہ صاحب کے بقول یہ بھی امام پر بہتان افتر ہے "امام" نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا ہوگا۔ کیونکہ کوئی صحیح الدماغ شخص نہ قرآن کریم کو تحریف شدہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے اور نہ غلط کو غلط پڑھنا منشا خداوندی قرار دے سکتا ہے۔ لیکن فاضل مترجم کو اصرار ہے کہ ان کے "امام" قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے، ساتھ ہی اس کی تصحیح سے منع بھی فرماتے تھے۔ اور غلط کو بدستور کلام اللہ کی حیثیت سے پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اگر امام نے واقعی کوئی ایسا حکم دیا ہے جن کی تعمیل فاضل مترجم اور ان کے ہم عقیدہ حضرات ضروری سمجھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے اور وہ اس کے محفوظ اور عین مائزل اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ؟ اور جناب امام نے ایسی غلط بات کا کیوں حکم فرمایا؟ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ اگر یہ بھید کھل گیا کہ "امام" اور ان کے شیعہ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے تو مسلمان ان کو خارج از اسلام سمجھیں گے اور ان کا شمار یہودیوں اور مجوسیوں کی صف میں ہونے لگے گا۔ اس لئے امام نے تقیہ کا حکم دیا ہوگا۔ تاکہ مسلمان ان سے دھوکے میں رہیں اور ان کے شیعوں کو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی تخریب اور مسلمانوں کے ایمان متزلزل کرنے کا موقع ملتا رہے۔ گویا امام یہ چاہتے تھے کہ ان کے مقتدی ہمیشہ عبد اللہ بن ابی اور عبد اللہ بن سبا کے نقش قدم پر گامزن

رہیں۔ یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون۔

سوم: فاضل مترجم کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "امام" کا کام شیعوں کو ہدایت کی تعلیم دینا نہیں بلکہ گمراہ کرنا ہے، کیونکہ "فانصب" بفتح صاد امام کے نزدیک غلط اور تحریف شدہ ہے، لیکن وہ اپنے شیعوں کو حکم فرماتے ہیں کہ غلط کو غلط ہی پڑھو۔ ظاہر ہے کہ ان کے سارے لوگوں کو تو یہ علم نہیں ہوگا کہ ہمیں غلط کو غلط سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، بہت سے شیعہ ایسے بھی ہوں گے جو اس تحریف شدہ لفظ کو ارشاد خداوندی سمجھ کر پڑھیں گے اور غلط الفاظ کو کلام الہی سمجھ کر غلط پڑھنا یقیناً افتر علی اللہ ہے، گویا فاضل مترجم کے نزدیک ان کے "امام" نے شیعوں کو حکم فرمایا کہ وہ قیامت تک افتر علی اللہ کرتے رہیں، اور ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہیں۔

چہارم: فاضل مترجم کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے نام کے کیسے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ "امام" خواہ کیسا ہی مہل اور خلاف عقل و شرع حکم صادر فرمائیں یہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں، اگر امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہہ کر کافر بنو اور اسے غلط پڑھ کر خدا پر افراء کرو تو یہ اس کی تعمیل کو بھی حاضر ہیں، ان کے نزدیک حکم امام کے مطابق قرآن کریم کو جھٹلانا اور اسے غلط اور محرف کہنا تو جائز ہے مگر امام کے حکم سے سرتابی ناجائز ہے۔ ج بریں عقل و دانش ببا ید گریست۔

تعجب ہوتا ہے کہ فاضل مترجم کے ہم مسلک راویوں نے کیسی غلط اور زندیقانہ روایتیں "اماموں" کی طرف منسوب کر کے انہیں قرآن سے بڑھ کر تقدس کا درجہ دیدیا۔ انا لله وانا اليه راجعون امام تو لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیا کرتے ہیں۔ ایسی گمراہ کن تعلیم "امام" کی طرف منسوب کرنا بدترین تہمت ہے، یقیناً ایسی روایتیں زندیقیوں نے خود گھڑ کر انہیں تقدس کا درجہ دینے کے لئے "اماموں" کی طرف منسوب کر دیا ہے، اماموں کا دامن اس کفر و زندقہ سے یقیناً پاک ہے، لیکن فاضل مترجم ایسی زندیقانہ روایتوں اور ان کے راویوں پر قرآن سے بڑھ کر ایمان رکھتے ہیں، ان کے نزدیک خدا اور رسول کے فرمودات کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ ان روایتوں کی جو زنادقہ نے گھڑ کر "اماموں" سے منسوب کر ڈالی چنانچہ وہ ان روایتوں کو صحیح مان کر قرآن کو غلط کہنے کی جسارت کرتے ہیں۔

پانچواں اقرار

قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّا نَحْنُ مُنْزِلُوهُ الذِّكْرُ اِنَّا بِيَشْكُ هُمْ هِيَ نَعْنِ تُو قُرْآنَ نَازِلُ كِيَا
لَهُ لِحَافِظُوْنَ (الحجر: ۹) اور ہم ہی تو اس کے نگہبان ہیں۔

(ترجمہ: فرمان علی)

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے عقیدہ کی جڑ کاٹ دیتی ہے جو قرآن کریم کو تحریف شدہ کہتے ہیں کیونکہ جب حق تعالیٰ شانہ اس کتاب مقدس کی حفاظت و نگہبانی کا وعدہ فرما چکے ہیں تو

یہ کہنا وعدہ الہی کی تکذیب ہے کہ قرآن

میں رد و بدل کر دیا گیا

جناب مترجم سے یہ تو نہ ہو سکا کہ اس ارشاد خداوندی کو برقی سمجھ کر تحریف قرآن کے عقیدے سے توبہ کر لیتے اور امام کی طرف تحریف قرآن کی جو روایتیں منسوب کی گئی ہیں ان کو دروغ باطل اور کذب و افتراء تصور کرتے، لیکن جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ان کے نزدیک امام کی طرف منسوب کی گئی روایات کی قدر و قیمت فرمودہ خداوندی سے بڑھ کر ہے اس لئے انہوں نے اس آیت کریمہ کی ایسی تاویل کر ڈالی جس سے ان کے امام کے عقیدہ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:-

"ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے۔ تب اس کی نگہبانی

کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ

دیں گے۔ پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید

کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا

کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا

ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا

کیا تغیرات ہو گئے ہیں کم سے کم اس میں تو شک ہی

نہیں کہ ترتیب بالکل بدل گئی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ

ہر ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں

چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سینکڑوں ہزاروں اوراق

قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں۔

دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالتآب
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے
شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔ (ص ۲۶۹)

فائل مترجم کی مندرجہ بالا عبارت میں چند باتیں قابل توجہ ہیں
اول یہ کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی حفاظت و نگہبانی کا جو وعدہ
اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن
کریم جو شرقاً و غرباً مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور جس کے ہزاروں
لاکھوں حافظ دنیا کے ہر خطے میں ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔
اور وعدہ الہی کے مطابق انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہیں گے،
وہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہے، بلکہ ان کے نزدیک حفاظت قرآن
کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ اپنی اصلی حالت
پر رہے گا۔ اس ایک صحیح نسخہ سے ان کی مراد غالباً وہ نسخہ
ہے جو امام غائب کے ساتھ غار میں محفوظ ہے۔ چنانچہ اصول کافی
کتاب فضل القرآن میں ہے۔

عن سالم بن سلمة قال قرأ
رجل علی ابی عبد اللہ
علیہ السلام وانا استمع
حروفا من القرآن لیس
علی ما یقرؤھا الناس
فقال ابو عبد اللہ علیہ

اسلام کف عن ہذا
الشرأة۔ اقرء کما یقرأ
الناس حتی یتوم القاضو
فاذا اقام القاضو قرأ کتاب
اللہ عزوجل علی حد۔

واخرج المصحف الذی
کتبه علی وقال اخرجہ
علی اقی الناس حین فرغ
منہ وکتبه۔ فقال لہو ہذا
کتاب اللہ عزوجل کما انزلہ
اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ
وسلم وقد جعلتہ من اللوحین
فقالوا ہذا عندنا مصحف
جامع فیہ القرآن لا حاجة
لنا فیہ۔ فقال اما واللہ ما
تروہ بعد یومکم وھذا
ابدانما کان علی ان الخیر
حین جمعتہ لتقرؤہ۔

رہو۔ بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ
پڑھتے ہیں، جب تک کہ امام مہدی
کا ظہور نہ ہو۔ جب امام مہدی ظاہر
ہوں گے تو کتاب اللہ کو اپنی حد پر
پڑھیں گے۔

اور امام جعفر نے حضرت علی
رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا قرآن نکالا۔ اور
فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو لکھ کر فارغ
ہوئے تو اسے لوگوں کے سامنے پیش
کیا اور فرمایا یہ ہے وہ قرآن جو اللہ
تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل کیا تھا۔ میں نے اس کو دو لوگوں
سے جمع کر لیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ
ہمارے پاس جامع قرآن موجود ہے
ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں
آپ نے فرمایا کہ بخدا! تم اس قرآن
کو آج کے بعد کبھی نہ دیکھ سکو گے۔
مجھ پر لازم تھا کہ تمہیں اپنے جمع کردہ
قرآن سے آگاہ کروں تاکہ تم اسے
پڑھو۔ (اصول کافی ص ۶۳۲)

ملا باقر مجلسی، حق الیقین میں لکھتے ہیں:-

پس بخواند قرآن را بخوی کہ حق پس امام مہدی قرآن کو اس طرح
تعالے بر حضرت رسول اللہ پڑھیں گے کہ حق تعالیٰ نے حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا
بے آنکہ تغیر یافتہ باشد و تبدیل بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر
یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے و تبدیل ہوا ہو۔ جیسا کہ دوسرے
دیگر شد الحق الیقین ص ۳۵۸ قرآنوں میں تغیر و تبدیل ہو گیا ہے
مطبوعہ طہران ۱۳۵۲ شمسی ہجری

فاضل مصنف کے نزدیک "قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ" جو دنیا
میں موجود ہے اس سے بھی غار والا قرآن مراد ہے جو امام مہدی کے
ساتھ غائب ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں قرآن کریم کا کوئی صحیح نسخہ
ان کے نزدیک موجود نہیں۔ اور چونکہ قرآن کریم ہی اسلام کی تعلیمات
کی بنیاد ہے اس لئے جب قرآن غائب ہے تو گویا اسلام کی بنیاد
ہی غائب ہے، جن مجوسی اور یہودیوں منافقوں نے تحریف قرآن
کی روایتیں گھڑ گھڑ کر اماموں کی طرف منسوب کیں ان کا مقصد و
مدعا بھی یہی تھا کہ اسلام کی بنیاد ہی کو منہدم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں
کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت
بالغہ سے ان کے تمام مکائد کو خاک میں ملا دیا۔ لیکن فاضل منزجم اور
ان کے ہم عقیدہ حضرات بدستور انہی مجوسیوں اور یہودیوں
کی تقلید پر فخر کر رہے ہیں۔
دوم: فاضل مترجم لکھتے ہیں:-

"اس (آیت) کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں (قرآن مجید
میں) کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے
کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے
ہیں"

ایک مسلمان کا تو یہی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کو جس طرح —
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے
تھے وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے جوں کا توں محفوظ ہے اور
انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اور یہ ایک ایسی صداقت ہے۔
جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ واقعہ یہ ہے
جو شخص کتاب اللہ کو محرف و مبدل مانتا ہے وہ کتاب اللہ
پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور نہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ ہے،
کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد قرآن کریم
کے کسی حرف پر اور دین اسلام کی کسی بات پر اعتماد نہیں رہ
جاتا ؟۔ اصول کافی کے محشی علامہ علی اکبر غفاری کے بقول:
لانه لو كان تطرق التحريف فيكون ان قرآن کے الفاظ میں تحریف
التي يبر في الفاظ القرآن اور تغیر و تبدل فرض کر یا جائے تو
ليريق لنا اعتماد على ہمارے لئے اس کے کسی حرف
شيء منه۔ اذ على هذا پر اعتماد و ایمان کی کوئی صورت نہیں
يحتمل كل آية منه رہ جاتی کیونکہ اس صورت میں قرآن
ان تكون محرفة ومنية کی ہر آیت میں یہ احتمال ہے کہ
وتكون على خلاف ما انزلہ وہ تحریف شدہ اور تبدیل شدہ ہو

اللہ۔ فلا یكون القرآن حجة اور ما انزل اللہ کے خلاف ہو۔
 لنا۔ تنتفی فائدہ۔ وفائدہ پس قرآن ہمارے لئے حجت نہیں
 الامر بالتباعہ والوصیۃ رہ جانا اس کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے
 بہ۔ وعرض الاخبار المتعارضة اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت
 علیہ اور متعارض اخبار کو قرآن پر پیش کرنے
 حاشیہ اسول کافی ص ۶۲۱ ۱۲ کی وصیت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے
 بات معقول ہے جو شخص قرآن کریم کے بارے میں یہ عقیدہ
 رکھے کہ اس میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ
 کو مسلمان بھی کہے اور قرآن کے ترجمہ و تفسیر پر بھی قلم اٹھائے اس سے
 بڑھ کر "عقل مند" کون ہو سکتا ہے۔ فاضل مترجم نے یہ تو صراحت کر
 دی کہ ان کے نزدیک قرآن مجید میں بہت سے تغیرات ہوئے ہیں جس
 سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو تغیر و تبدل سے پاک نہیں سمجھتے
 ہیں، نہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے
 ہیں۔ لیکن فاضل مترجم نے یہ تشریح نہیں کی کہ قرآن کریم میں کیا تغیرات
 ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل ان کے مسلک کی دوسری کتابوں میں موجود
 ہے کہ قرآن کریم میں پانچ قسم کی تبدیلی کر دی گئی ہے
 ۱۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ نعوذ باللہ ساقط کر دیا گیا
 ۲۔ بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئیں۔
 ۳۔ الفاظ بدل دئے گئے۔
 ۴۔ حروف بدل دئے گئے۔
 ۵۔ آیتوں، سورتوں اور کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

چنانچہ علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی اپنی کتاب "فصل
 الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" میں جو خاص اسی موضوع
 پر لکھی گئی ہے، لکھتے ہیں :-
 کان الامیر المؤمنین علیہ السلام امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص
 قرآننا مخصوصاً جمعه تھا جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 بنفسہ بعد وفات رسول اللہ کے بعد خود جمع کیا تھا۔ اور اس کو صحابہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ و عرضہ کے سامنے پیش کیا مگر ان لوگوں نے توجہ
 علی المقوم فاعرضوا عنه، نہ دی لہذا آپ نے اس قرآن کو لوگوں
 فحجبه عن اعینہم وکان کے نظروں سے پوشیدہ کر دیا۔ اور وہ
 عند ولده علیہ السلام قرآن آپ کی اولاد کے پاس رہا ایک
 يتوارثونه امام عن امام کثیر امام سے دوسرے امام کو میراث میں
 خصائص الامامة وخصائص النبوة ملکہ جیسے دیگر خصائص امامت اور
 وهو عند الحجة عجل اللہ خزانہ نبوت۔ اور اب وہ قرآن کریم
 فرجه۔ یطهرہ للناس بعد امام مہدی کے پاس ہے، خدا ان کی
 ظہور و یا مرہو بقبرائتہ مشکل جلد آسان کرے۔ وہ اپنے ظاہر
 وهو مخالف لہذا القرآن من ہونے کے بعد اس قرآن کو ظاہر
 من حیث التالیف وترتیب السور کریں گے اور لوگوں کو ان کی تلاوت
 والآیات بل الکلمات ایضاً ومن کا حکم دیں گے۔ اور وہ قرآن اس قرآن
 جهة الزیادة والنقص۔ وحیث موجود کے خلاف ہے سورتوں اور
 ان الحق مع علی علیہ السلام آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی،
 وعلى مع الحق ففی القرآن الموجود اور کئی بیشی کے لحاظ سے بھی چونکہ

تغییر من جہتین وهو حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے
المطلوب (۱ ص ۹) ساتھ ہیں لہذا ثابت ہو گیا کہ قرآن
موجود میں دونوں اعتبار سے تحریف
ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

احتجاج طبرسی میں ص ۱۱۹ سے ص ۱۳۱ تک ایک طویل روایت حضرت
علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کی گئی ہے کہ ایک زندیق نے آپ کی خدمت
میں قرآن کریم پر کچھ اعتراضات کئے آپ نے اس کے جواب میں بار
بار اس بات کو دہرایا کہ قرآن میں منافقوں نے تحریف کر دی ہے۔ اس
کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

الف "زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے ذان
خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم
من النساء مثلثی وثلاث ورباع" (النساء: ۳) اور اگر تم کو
اندیشہ ہو کہ نکاح کر کے تم یتیم کی رکھ رکھاؤ میں انصاف نہ کر سکو
گے تو اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور
چار چار نکاح کرو" (ترجمہ فرمان علی)

زندیق نے کہا کہ آیت کی شروط و جزاء کے درمیان کوئی جوڑ نہیں یہ کہنا
کہ اگر یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو تو دو دو تین تین، چار چار عورتوں
سے نکاح کر لو۔ بالکل بے جوڑ بات ہے۔ حضرت امیر نے اس اعتراض کے

لے قرآن کریم میں "فان خفتم" "ہیں" "وان خفتم" ہے زندیق تو خیر زندیق تھا وہ قرآن کو کیوں صحیح پڑھتا تعجب ہے
کہ جناب امام نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا۔

جواب میں فرماتے ہیں:

واما ظہورک علی تناکر قوله اور تبجھ کو جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذان
فان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم
من النساء میں اشکال ہوا ہے کہ
ولیس یشبه القسط فی الیتامی یتیموں کے حق میں انصاف کرنا عورتوں
نکاح النساء ولا کل النساء ایٹاماً سے نکاح کرنے کے ساتھ کوئی مناسبت
فہو بما قدمت ذکرہ من اسقاط نہیں رکھتا اور نہ ساری عورتیں یتیم ہوتی
المنافقین من القرآن و بین المناقضین من القرآن و بین
القول فی الیتامی و بین نکاح تبجھ سے ذکر کر چکا ہوں کہ منافقوں نے
النساء من الخطاب والقصص قرآن میں سے بہت کچھ نکال ڈالا۔
اکثر من ثلث القرآن۔ وهذا فی الیتامی اور فانکحوا کے درمیان بہت
ما اشبهہ مما ظہرت حوادث سے احکام اور قصے تھے جو تہائی قرآن
المنافقین فیہ لاهل النظر یعنی دس پارے سے زیادہ تھے۔ وہ
والتامل ووجد المعطلون سب نکال ڈالے اس وجہ سے بے ربطی
واهل الملل المخالفة للإسلام ہو گئی منافقوں کی اس قسم کی تحریفات

لہ آیت کریمہ کے مضمون میں کوئی بے ربطی نہیں جیسا کہ جناب فوان علی صاحب کے ترجمہ ہی سے واضح ہے آیت
لا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لوگوں سے نکاح کر کے ان کے ساتھ نصفانہ برتاؤ نہیں کر سکو گے تو
انکے بجائے دوسری عورتیں کچھ کم نہیں چاہو تو دو دو، تین تین چار چار تک نکاح کر سکتے ہو۔ تعجب
ہے کہ جناب امام زندیق کے اس معمولی اعتراض سے لاجواب ہو جاتے ہیں اور انہیں قرآن کریم پر تحریف
کی نیت دھرنے کے سوا کوئی جواب نہیں سوچتا۔ کاغذ جناب امام نے جناب فوان علی کا ترجمہ ہی دکھایا ہوتا
(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

مساغالی المقدح فی القرآن سے، جو اہل نظر و تامل کو ظاہر ہو جاتی

(ص ۱۲۸۰)

میں بے دینیوں اور اسلام کے مخالفوں کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقعہ مل گیا۔

ب: زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے حالانکہ قرآن میں جتنی آپ کی تعریف ہے اس سے کہیں بڑھ کر آپ کی توہین و تنقیص کی گئی ہے اور ایسی تنقیص کسی اور نبی کی نہیں جناب امیر نے زندیق کے اس اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے زندیق کو بتایا کہ:-

والذی بدا فی الکتاب من کتاب اللہ میں جو بُرائی نبی صلی اللہ علیہ الازدراء علی النبی صلی اللہ وسلم کی ہے یہ ملحدوں کی افتراء و ہفتی علیہ والہ من فریۃ الملحدین ہے (یعنی جامعین قرآن کی بڑھائی

بغیر حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تو انہیں قرآن کو محرف کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی مگر حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے دن کو اس سے پاک سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ان پر تمام ہے اور اس کے مجرم وہ زندیق ہیں جنہوں نے تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں گھر گھر کر حضرت امیرؓ اور دیگر اکابر کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

۱۔ یہ بھی خوب کہی و قرآن کریم کو صحیح ماننے سے تو بے دنیوں اور مخالفین اسلام کو قرآن پر اعتراض کا موقعہ مل جاتا ہے لیکن قرآن کو تحریف شدہ کہنے سے گویا تمام اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ قرآن کو غلط کہہ دینے سے نہ قرآن باقی رہتا ہے نہ دین اسلام۔ کسی چیز کا وجود ہو تو کوئی اس پر اعتراض کرے جناب امام نے اعتراض سے بچنے کیلئے قرآن ہی کو غلط اور تحریف شدہ فرمادیا۔ گویا نہ ہے ہاتھ بچے بائسری۔

امام کے نام پر ایسی روایتیں گھڑنے والے کتنے ذہین تھے۔ جنہوں نے امام کی آڑ میں قرآن و اسلام کی جڑ پر تبر چلا دیا۔

(ص ۱۲۰) ہوتی ہے۔ نفوذ باللہ

ج: اس زندیق کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآن کریم میں انبیاء کرام کی لغزشوں کو تو ان کے ناموں کی صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن منافقوں اور ظالموں کے ناموں کی کہیں صراحت نہیں کی گئی۔ انہیں گول مول الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جناب امیر نے اس کا جو نفیس جواب دیا وہ یہ تھا۔

ان الکناۃ عن اصحاب الجرائر بڑے بڑے مجرموں اور منافقوں کو العظیمۃ من المنافقین فی قرآن میں جو کناہ کے الفاظ سے القرآن لیست من فعلہ تعالیٰ ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فعل وانہا فعل المغیرین والمبدلین نہیں بلکہ ان تحریف و تبدیل کرنے الذین جعلوا القرآن عسین والوں کا فعل ہے جنہوں نے قرآن کو واعتاضوا الدنیا بالمدین ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور دین کے بدلے دنیا وصول کی۔

(ص ۱۲۲)

د: اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے زندیق سے فرمایا:-

ولو شححت لك ما اسقط و اگر میں تیرے سامنے ان تمام آیتوں حروف و تبدل فمابجری کی تفصیل بیان کروں جو قرآن سے ہڈی المجری لطال و نکال دی گئیں، جن میں تحریف کر ظہر ما تخطر التقیہ اظہار دی گئی اور جن کو تبدیل کر دیا گیا

۱۔ یہ بھی امام کا کمال علمی ہے قرآن کریم کا ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں نفوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی گئی ہو مگر امام کی طرف ایسی روایتیں منسوب کرنے والوں کے دل اندھے تھے انہیں قرآن کریم پر ہمارے زبانی افتراء کرنا مقصود تھا اور بس۔

نیز اسی طرح کی جو اور کاررائیاں کی
گئیں تو بہت لمبی بات ہو جائے گی
اور تقیہ جس چیز کے اظہار سے مانع
ہے وہ ظاہر ہو جائے گی۔

نیز اسی روایت میں یہ بھی فرمایا:-

ولیس یسوع مع عموم التقیہ اور ضرورت تقیہ کی بناء پر اس کی
التصریح باسماء المبدلین گنجائش نہیں کہ میں ان لوگوں کے
ولا زیادة فی آیاتہ علی نام بتاؤں جنہوں نے قرآن میں تبدیلی
ما اشبتوه من تلقائهم فی کرڈالی اور نہ میں اس زیادتی کو بنا
الکتاب. لہذا فی ذلک من سکتا ہوں جو انہوں نے اپنی طرف
تقیوہ جج اهل التعلیل سے کتاب اللہ میں کی کیونکہ اس
والکفر والملل المخففة عن سے اہل تعلیل و کفر اور ملل مخالفہ
ملتنا وابطال هذا العلم اسلام — کی تائید ہوتی ہے اور
الظاهر الذی استکان لہ اس علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے جس
الموافق والمخالف کے موافق اور مخالف سب قائل ہیں۔

(۱۲۵ ص)

لہ یہ بھی خوب کہی۔ قرآن کریم کو غلط اور مخرف کہنے اور حاملین قرآن کو منافق کہنے سے تو تقیہ مانع نہیں۔ نہ اس
سے اہل کفر کی تائید ہوتی ہے نہ علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے لیکن اس سے تقیہ مانع ہے کہ غلط مقامات کی نشاندہی
ہی کر دی جائے تاکہ باقی قرآن تو قابل اعتماد ہو۔ مگر جناب امام کے معصوم تقیہ کی روایت گھڑنے والوں
کا مقصد تو پورے قرآن کو مشکوک ٹھہرانا تھا جس میں وہ ناکام رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ولو کہ الکافرون۔

۱۹ نیز اسی روایت میں ہے:-

لو علم المنافقون لعنهم الله اگر منافقوں کو۔ خدا ان کو لعنت کرے۔
من ترك هذه الايات التي معلوم ہو جائے کہ ان آیتوں کے باقی
بينت لك تاويلها لا سقطوا رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل
مع ما اسقطوا منه۔ میں نے بیان کی تو جس طرح اور آیتیں
نکالی تھیں ان آیتوں کو بھی نکال دیتے
(ص: ۱۲۸)

ز: اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے زندقہ کے سامنے جمع
قرآن کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ثم دفعهم الاضطرار بحدود پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل
المسائل عمالا يعلمون تاويله دریافت کئے گئے جن کو وہ نہیں جانتے
الاجمعہ و تاويله وتضمينه تھے تو وہ مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں
من تلقائهم ما يقيمون به اس کی تفسیر کریں۔ اور قرآن میں وہ
دعائو کفرہو فصرح باتیں اپنی جانب سے بڑھائیں جن سے
مناديهم من كان عنده وہ اپنے کفر کے ستون قائم کریں۔ لہذا
شيء من القرآن فليأتنا به ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے
و وكلوا تاليفه ونظمه الى پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو وہ ہمارے
بعض من وافقهم الى پاس لائے اور ان منافقوں نے قرآن
معاداة اولياء الله فالفہ کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے
على اختيارهم سپرد کیا جو دوستان خدا کی دشمنی
میں ان کا ہم خیال تھا اور اس نے ان
(ص: ۱۳۰)

کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔

ج: جناب امیر نے اس زندیق کو یہ بھی بتایا کہ :

وزاد وافیه ما ظہر تناکرہ انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں بڑھا
وتنافرہ (ص، ۱۳۰) دیں۔ جن کا خلاف فصاحت اور قائل
نفرت ہونا ظاہر ہے۔

ن: نیز یہ بھی بتایا کہ :

انہم اشدوا فی الکتاب ما ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں
لعلیقلہ اللہ لیلبسوا علی درج کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے
الخلیقۃ (ص - ۱۲۵) نہیں فرمائی تھیں۔ تاکہ مخلوق کو
فریب دے سکیں۔

یہ ہیں فاضل مترجم کے عقیدے کے مطابق وہ تغیرات جن
کی طرف موصوف نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ "یہ ظاہر ہے کہ
کہ اس زمانے تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہوئے ہیں ؟
سوم: فاضل مترجم لکھتے ہیں :
"کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب تو بالکل بدل
دی گئی۔"

ان کا یہ دعویٰ ایک اور ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ قرآن
کریم کے غیر مبدل محفوظ اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے
ورنہ کوئی مسلمان جو قرآن کریم کو خدا کی کتاب مانتا ہو اس کا قائل
نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کی ترتیب بدل دی گئی :

علامہ نصیر الاجتہادی کا ارشاد :

ہمارے دور کے ایک ممتاز شیعہ رہنما جناب نصیر الاجتہادی
صاحب نے "محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو شام غریباں کی مجلس سے
خطاب کرتے ہوئے ضمناً "قرآن کریم کی عصمت" پر بھی اظہار
خیال فرمایا ان کی یہ تقریر پاکستان ٹیلی وژن سے ٹیلی کاسٹ
کی گئی۔ راقم الحروف کے پاس اس کی کیسٹ محفوظ ہے موصوف
نے فرمایا :

"قرآن جو ہے وہ الحمد للہ سے لے کر الناس تک صدق
ہے عصمت ہے، طہارت ہے، یعنی معصوم ہے، اور کتابوں
میں تحریف ہوئی تو رات میں، انجیل میں، تحریف ہے،
لیکن قرآن میں کوئی تحریف نہیں، اور معلوم ہونا چاہیے
کہ قرآن عہد نبوت سے لے کر آج کے دن تک اور قیامت
کے دن تک غیر محرف ہے، اس میں کوئی تحریف نہیں،
کوئی ترمیم نہیں، کوئی کمی نہیں، کوئی زیادتی نہیں، اس
نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون اہم نے
قرآن اتارا ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے الہذا ہر
مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ قرآن جیسا عہد نبوت
میں تھا ویسے ہی آج ہے۔ جیسے آج ہے ویسے قیامت
تک رہے گا کیونکہ وعدہ رب کریم ہے، جھوٹا نہیں ہو
سکتا۔ تو قرآن میں نہ کمی ہے نہ زیادتی ہے، نہ تحریف ہے،

نہ ترمیم ہے پہلے جتنے پارے تھے اتنے ہی آج بھی پارے ہیں۔ کوئی فرق نہیں، تیس پارے ایک سو چودہ سو رہے اس میں پہلے بھی تھے آج بھی ہیں۔ یہودی، مستشرقین چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کریں اور قرآن کے بارے میں عقائد متزلزل کریں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس یہودی سازش میں نہ آنا قرآن جو ہے وہ وہی تیس پارے ہیں۔ کوئی فرق ایسا نہیں اسلام کا جس کا قرآن الگ ہو، جدا ہو، فقہ الگ ہو سکتی ہے، تعبیر سنت الگ ہو سکتی ہے، تعبیر حدیث الگ ہو سکتی ہے، ترجمہ الگ ہو سکتا ہے، قرآن کسی کا الگ نہیں، سب کا قرآن ایک ہے۔ تو یہودی مستشرقین کی سازش پر نہ جاؤ کہتے ہیں کہ کسی کے پاس چالیس پارے ہیں، کسی کے پاس ۳۰ پارے ہیں، اسے پارے چھپے ہوئے ہیں چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم جو ہے وہ معصوم ہے۔

جناب نصیر الاجتہادی صاحب کا یہ اعلان حق، اگر بر بنائے نقیب نہیں تو لائق صد ستائش ہے۔ موصوف کے اس ارشاد کے مطابق وہ تمام لوگ جنہوں نے تحریف قرآن کا افسانہ بطور عقیدہ اپنی کتابوں میں درج کیا وہ سب یا تو یہودی تھے یا یہودیوں کے نقیب تھے مثلاً:-

الف: سید فرمان علی شاہ صاحب جنہوں نے زیر نظر ترجمہ میں تحریف قرآن قرآن کا عقیدہ درج کیا۔

ب: وہ تمام شیعہ علماء اور مجتہد، جنہوں نے اس ترجمہ کی تصدیق کی۔
ج: "پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ" جس نے یہ ترجمہ شائع کیا۔
ظاہر ہے کہ جو لوگ بھی اس ترجمہ پر اعتماد کریں گے قرآن کے بارے میں ان کا عقیدہ متزلزل ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس یہودی سازش کو ناکام بنایا جائے۔ اس ترجمہ کو ضبط کر کے اس کے ناشرین کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔

اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں تحریف قرآن کی روایتیں نقل کر کے ان کی تصدیق کی اور ان کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ ظاہر کیا وہ بھی موصوف کے بقول یہودی سازش کا شکار ہیں۔

واضح رہے کہ شیعہ کی کتابوں میں تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں اماموں کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اور علماء شیعہ نے تین باتوں کا کھل کر اقرار کیا ہے

اول: یہ روایتیں متواتر ہیں

دوم: یہ کہ قرآن کیم کی تحریف پر صریح ہیں۔

سوم: یہ کہ شیعوں کا عقیدہ ان روایات کے مطابق یہی ہے کہ قرآن (نعوذ باللہ) تحریف شدہ ہے۔ چنانچہ "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" سے، جو تحریف قرآن کے ثبوت میں ایک شیعہ عالم علامہ حسین بن محمد تقی نوری طبرسی کی تالیف ہے، چند حوالے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

الف: الدلیل الحادی عشر: تحریف قرآن کی گیارہویں دلیل: وہ الاخبار الکثیرۃ المعتبرۃ الصیحة بہت سی روایات ہیں۔ جو معتبر ہیں۔

فی وقوع السقوط ودخول
النقصان فی الموجود من القرآن
زیادة علی ما مر فی ضمن الأدلة
السابقة، وانه اقل عن تمام
ما نزل اعجازاً علی قلب سید
الانسان والجان من غیر اختصار
بأية اوسورة وهی مفرقة
فی الكتب المتفرقة التي علیها
المعول عند الاصحاب جمعت
ما عشت علیها فی هذا
الباب (ص ۲۱۱)

اور قرآن موجود میں کمی اور نقصان کے
واقع ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی
ہیں۔ علاوہ ان روایات کے جو گذشتہ
دلائل کے ضمن میں گذر چکی ہیں۔ یہ
روایات اس بات پر دلالت کرتی
ہیں کہ موجودہ قرآن مقدار نزول سے بہت کم ہے
اور یہ کمی کسی آیت یا سورہ کے
ساتھ مخصوص نہیں۔ اور یہ روایات
ان متفرق کتابوں میں پھیلی ہوئی
ہیں جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد
ہے میں نے اس باب میں وہ
روایات جمع کر دی ہیں جو میری نظر
سے گزریں۔

اس کے بعد مصنف نے بکثرت شیعہ کتابوں کے نام گنائے ہیں
اور روایات تحریف کے انبار جمع کئے ہیں۔

ب: الدلیل الثانی عشر: تحریف قرآن کی بارہویں دلیل: وہ
الاخبار الواردة فی المواد
المخصوصة من القرآن
الدالة علی تغییر بعض
الکلمات والایات والسور
بإحدى السور المتقدمة

احادیث ہیں جو قرآن کے مخصوص
مقامات کے بارے میں وارد ہوئی
ہیں اور جو کلمات، آیات اور سورتوں
کے تغیر و تبدل پر دلالت کرتی ہیں۔
اور یہ روایات بہت ہی زیادہ ہیں۔

وهی كثيرة جداً حتی قال السید
نعمت الله الجزائری فی
بعض مؤلفاته کما حکى
عنه ان الاخبار الدالة علی
ذلك تزيد علی الفی حدیث
وادی استفاضتها جماعة
کالمفید والمحقق الداماد والعلامة
المجلسی وغیرهم: بل الشیخ ایضاً
صرح فی التبیان بکثرة کلها
بل ادعی تواثرها جماعة
یاتی ذکرهم فی آخر المبحث و
نحن نذكر منها ما یصدق
دعواهم

حتی کہ سید نعمت اللہ الجزائری نے
اپنی بعض تصانیف میں کہا ہے جیسا
کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو روایات
تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں وہ
وہ دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں اور
ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہوئے
کا دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق
داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ: بلکہ شیخ
نے بیان میں بھی تصریح کی ہے کہ
یہ روایات بہت زیادہ ہیں۔ بلکہ
ایک جماعت نے، جن کا ذکر آخر بحث
میں آئے گا۔ ان کے متواتر ہونے
کا دعویٰ کیا ہے اور ہم ان روایات
میں سے اتنی مقدار ذکر کریں گے۔
جس سے ان حضرات کے دعویٰ کی
تصدیق ہوتی ہے۔

واعلم ان تلك الاخبار
منقولة من الكتب المعتمدة
التي علیها معول اصحابنا
فی اثبات الاحکام والایات
النبویة
(ص ۲۲۷ وما بعد)

جاننا چاہیے کہ تحریف کی یہ روایتیں
ان معتبر کتابوں سے نقل کی گئی ہیں
جن پر ہمارے اصحاب کا اعتماد ہے
احکام شرعیہ کے ثبات کرنے اور
آثار نبویہ کے نقل کرنے میں۔

ج: نیز علامہ مجلسی کا قول نقل کیا ہے کہ:

وعندی ان الاخبار فی هذا
الباب متواترة معنی وطرح
جميعها یوجب رفع الاعتماد
عن الاخبار رأساً، بل ظنی
ان الاخبار فی هذا الباب لا
یقصر عن اخبار الامامة
فکیف یشبثونها بالخبر۔
(ص ۳۲۹)

میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں
معناً متواتر ہیں اور ان سب روایتوں
کو ترک کر دینے سے ہماری تمام کی
تمام احادیث سے یکسر اعتماد اٹھ
جاتا ہے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ تحریف
قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی
روایتوں سے کسی طرح کم نہیں، پس
اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار
نہیں تو مسئلہ امامت کو روایتوں سے
کیسے ثابت کرتے ہیں۔

د: فصل الكتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

قال السيد المحدث الجزائري
فی الانوار ما معناه ان الصحاب
قد اطبقوا علی صحة الاخبار
المستفیضة بل المتواترة الدالة
بصریحها علی وقوع التحریف
فی القرآن کلاماً وماداً واعراباً
والتصديق بها۔

سید محدث جزائری نے انوار میں لکھا
ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ
امامیہ نے اتفاق کیا ہے
مستفیض بلکہ متواتر روایات کی صحت
پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے
پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ تحریف کلام
میں بھی ہے مادہ میں بھی، اور اعراب میں
بھی اور اتفاق کیا ان روایات کی تصدیق پر۔
(ص ۳۰)

مندرجہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوئے۔

د: شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ روایتیں ائمہ معصومین
کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ قرآن کریم (نغوذ باللہ) تحریف شدہ
ہے اور ان کے مقابلے میں ائمہ معصومین کی ایک روایت بھی نہیں
جس کا مضمون یہ ہو کہ قرآن کریم تحریف سے پاک ہے اور جو
کا توں محفوظ ہے۔

۲۔ دو ہزار روایتیں اکابر علمائے شیعہ کے نزدیک متواتر ہیں۔
جو ان کی معتبر کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں:

۳۔ یہ روایات باتفاق علماء شیعہ صحیح ہیں۔

۴۔ اور یہ روایتیں تحریف قرآن پر نص صریح ہیں۔

۵۔ یہ روایات نہ صرف روایات امامت کے ہم پل ہیں بلکہ ان سے
بھی بڑھ کر ہیں، پس اگر ان پر اعتماد نہ کیا جائے تو مسئلہ امامت بھی،

جو شیعہ مذہب کا بنیادی پتھر ہے، ناقابل اعتماد قرار پاتا ہے
اور شیعہ مذہب کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ گویا اگر شیعہ مذہب کو
مانا جائے تو قرآن کریم کی تحریف کا عقیدہ لازم ہے۔ اور اگر
قرآن کریم کو صحیح اور تحریف سے پاک مانا جائے تو شیعہ مذہب
خود بخود غلط ہو جاتا ہے

اب شیعہ اکابر کا برکات عقیدہ ملاحظہ فرمائیے:

فصل الخطاب میں ہے کہ آیا قرآن میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہے
یا نہیں؟ اس میں ہمارے علماء کے دو قول مشہور ہیں، اول یہ کہ
اس میں تبدیلی اور کمی ہوئی ہے اور یہ مندرجہ ذیل علماء شیعہ کا مذہب
ہے:

- ۱- شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی مصنف تفسیر قمی
- ۲- ثقہ الاسلام کلینی مصنف الکافی
- ۳- الثقہ الجلیل محمد بن حسن صفار مصنف کتاب البصائر
- ۴- الثقہ محمد بن ابراہیم نعمانی تلمیذ کلینی مصنف کتاب الغیبت
- ۵- الثقہ الجلیل سعید بن عبد اللہ قمی مصنف کتاب ناسخ القرآن و منہج
- ۶- سید علی بن احمد کوفی مصنف کتاب بدع المحدثہ
- ۷- اجلۃ المفسرین و المتہم شیخ الجلیل محمد بن مسعود عیاشی
- ۸- شیخ فرات بن ابراہیم الکوفی
- ۹- الثقہ الثقہ محمد بن عباس المایبار
- ۱۰- الشیخ الاعظم محمد بن محمد بن نعمان المفید
- ۱۱- شیخ المتکلمین و متقدم بختیین ابوسہل اسمعیل بن نوبخت مصنف کتب کثیرہ
- ۱۲- الشیخ المتکلم الفیلسوف ابو محمد حسن بن موسی مصنف تصانیف جیدہ
- ۱۳- الشیخ الجلیل ابواسحق ابراہیم بن نوبخت مصنف کتاب الیاقوت
- ۱۴- اسحاق کاتب جس نے امام مہدی کو دیکھا ہے خدا امام موصوف کی مشکل جلد آسان کرے
- ۱۵- رئیس الطائفہ جس کے معصوم ہونے کا قول کیا گیا ہے یعنی شیخ ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بکر النوبختی جو شیعوں کے اور امام مہدی کے درمیان تیسرے سفیر تھے
- ۱۶- العالم الفاضل المتکلم حاجب بن لیث بن سراج

- ۱۷- الشیخ الثقہ الجلیل الاقدم فضل بن شاذان مصنف کتاب الایضاح
 - ۱۸- الشیخ الجلیل محمد بن حسن شیبانی مصنف تفسیر نہج البیان
 - ۱۹- الشیخ الثقہ احمد بن محمد بن خالد برقی مصنف کتاب النحاس
 - ۲۰- الثقہ محمد بن خالد مصنف کتاب التنزیل و التفسیر
 - ۲۱- الشیخ الثقہ علی بن حسن بغضال مصنف کتاب التنزیل من القرآن و التحریف
 - ۲۲- محمد بن حسن الصیرفی مصنف کتاب التحریف و التبديل
 - ۲۳- احمد بن محمد بن سیار مصنف کتاب القراءات یا کتاب التنزیل و التحریف
 - ۲۴- الثقہ الجلیل محمد بن عباس بن علی بن مروان ماہیار مصنف تفسیر
 - ۲۵- ابوطاہر عبد الواحد بن عمر قمی
 - ۲۶- الجلیل محمد بن علی بن شہر آشوب مصنف کتاب المناقب و کتاب المثالب
 - ۲۷- شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی مصنف کتاب الاحتجاج
 - ۲۸- مولی محمد صالح مصنف شرح الکافی
 - ۲۹- فاضل سید علی خان مصنف شرح الصغیف
- ۱- مصنف احتجاج نے اس کا جہد کیا ہے روہ صرف دہی روایتیں ذکر کریں گے جن پر شیعوں کا اجماع ہے یا وہ موافق و مخالف کے درمیان مشہور ہیں یا دلیل عقل سے ثابت ہیں موصوف نے دس سے زیادہ صریح روایتیں نقل کی ہیں (فصل الخطاب ص ۳) احتجاج طبرسی کی ایک روایت کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے

۳۰۔ مولیٰ مہدی نراقی

۳۱۔ الاساذ الاکبر ہیمیانی، مصنف الفوائد

۳۲۔ محقق قمی

۳۳۔ شیخ ابو الحسن شریف، مصنف تفسیر مرآۃ الانوار

۳۴۔ شیخ علی بن محمد مقابی مصنف مشرق الانوار

۳۵۔ السید الجلیل علی بن طاووس، مصنف فلاح السائل۔ سعد السعود

۳۶۔ اور یہی مذہب ہے جمہور محدثین (شیعہ) کا جن کے کلمات پر ہم کو اطلاع ہوتی ہے۔ (فصل الخطاب ص ۲۵ تا ص ۳)

دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا اور یہ کہ پورا قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ لوگوں کے ہاتھ میں بین الدفتین موجود ہے۔ صدوق نے عقائد میں، سید مرتضیٰ نے، شیخ الطائف نے بیان میں اور شیخ ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

ولم یعرف من القدماء اور متقدمین شیعہ میں سے کوئی ایسا شخص موافق لہم الاماحکاء معلوم نہیں جو عدم تحریف کے عقیدے المفید عن جماعة میں ان کا موافق ہو بجز اس کے جو مفید

لہ صاحب فصل الخطاب لکھتے ہیں: وجعل فی تفسیر المستی برآۃ الانوار من ضروریات مذہب الشیعہ واکبر مضار غصب الخلافۃ بعد متبع الاخبار وتصفع الآثار (ص ۳) یعنی ابو الحسن شریف نے افہام کی تتبع تلاش اور آثار کے پیمانہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ مذہب شیعہ کے ضروریات میں ہے اور غصب خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ ہے۔

من اهل الامامة والظاهر نے اہل امامت کی ایک جماعت اسے اراد الصدوق واتباعہ سے نقل کیا ہے اور بظاہر اس سے مراد (فصل الخطاب ص ۳) صدوق اور اس کے متبعین ہیں۔

والی طبقته لم یعرف الخلاف اور شیخ ابو علی طبرسی کے طبقہ تک اختلاف الامن هذه المشائخ الاربعة معروف نہیں تھا۔ مگر انہی چار مشائخ کا۔ (ص ۳۲)

فصل الخطاب کے ان حوالوں سے مندرجہ ذیل نتائج ظاہر ہوئے
۱۔ متقدمین شیعہ تمام کے تمام تحریف قرآن کے قائل تھے۔ جن میں ایمان مذہب شیعہ بھی شامل ہیں، وہ لوگ بھی جنہوں نے خود امام مہدی کی زیارت کی ہے، وہ لوگ بھی جو امام غائب اور شیعوں کے درمیان سفارت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے اور جنہیں شیعہ معصوم تک مانتے ہیں، اور وہ لوگ بھی جن کی کتابوں کو امام غائب نے ملاحظہ فرما کر ان کی تصدیق فرمائی۔ الغرض کل کے کل اساطین شیعہ تحریف قرآن کے قائل تھے۔

۲۔ تحریف قرآن کا عقیدہ شیعہ مذہب کی ضروریات اور ان کے نظریہ غصب خلافت کے قطعی لوازم میں سے ہے، کیونکہ شیعہ مذہب کی بنیاد اس پر ہے کہ حضرات خلفائے راشدین (غرض باشرط) ظالم و غاصب تھے، انہوں نے خلافت، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ چھین لی اور دین سے پھر گئے اور باقی تمام صحابہ نے ان کی طوعاً و کرہاً موافقت کی، قرآن کریم انہی کے واسطے سے بعد کی امت تک منتقل ہوا۔ اس لئے شیعوں کے عقیدہ غصب خلافت کو تسلیم کر لینے کے بعد ناممکن ہے کہ قرآن

مہاجرین و انصار

”یہ آیت اور اس کے قبل کی آیت بھی مہاجرین و انصار کی تعریف میں نازل ہوئی ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ ان میں اکثر ایسے ہی تھے۔ اور بعض تو اولیاء کاملین سے تھے، مگر کچھ ایسے بھی تھے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ اور آل رسولؐ سے بری طرح پیش آئے۔ اور یہ جو بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ چار پانچ کے سوا کوئی اچھا نہ تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جان و مال آبرو و عزت کی کچھ بھی پرواہ نہ کر کے

سورہ تطفیف: آیات ۲۹، ۳۳

حالانکہ ان آیات پر خود مصنف نے یہ سرخیاں لگائی ہیں "منافقین کا ذکر" (۳۵۵) اور "منافقین ہرگز نہ بخشے جائیں گے" اسی سورہ کی آیات ۲۵ تا ۲۷ کا بھی مصنف نے حوالہ دیا ہے حالانکہ ان آیات پر

اہل بیت کا ساتھ دینے والے چار پانچ تھے۔ درنہبت سے لوگ اصحاب رسولؐ سے خوش صفات اور صاحب ایمان تھے۔ مگر آبرو یا جان و مال یا اولاد کے خوف سے کچھ بول نہ سکتے تھے، اور جب موقع خالی پاتے تو بولتے بھی تھے (۳۳) مصنف نے جن "بعض احادیث" کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں۔ اصول کافی کتاب الروضہ میں ہے:

عن ابی جعفر قال کان الناس اهل ردة بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلاثة. فقلت: مرتد ہو گئے تھے۔ سولے تین آدمی! ومن الثلاثة؟ فقال المقداد بن الاسود والبوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیہم وعرّف الناس بعد یسیر. وقال ھؤلاء الذین دارت علیہم الرحا. وابوا ان یبایعوا حتی جاؤا بامیر المؤمنین علیہ السلام لائے پس آپ نے بیعت کی۔ (تب مکرھا ذبیاح (۳۴) بیعت ایران (۳۵) ان تین شخصوں نے بیعت کر لی۔) رجال کئی ص ۱۰ میں ہے:-

ارتد الناس الاثلاثة نفر سلمان وابوذر والمقداد. البوذر، سلمان، مقداد اور اگر تم چاہو کہ کوئی

وان اردت الذی لعمیشاک ایسا شخص ہو جس نے بالکل شک نہ کیا ہو ولعمیدخلہ شیءا لمقداد اور نہ اس میں کوئی داغ ہو تو وہ صرف مقدار ہیں۔

۳۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران میں ہے:

ما من الامة عن احد امت میں سے ایک بھی ایسا نہیں بایع مکرھا غیر علی و جس نے ابوبکر کے ہاتھ پر دلی رضامندی اربعتنا۔ کے بغیر بیعت کی ہو سولے علیؑ کے اور ہمارے چار شخصوں کے۔

۴۔ جناب مصنف لکھتے ہیں،

"دنیا کا سلف سے یہی دستور چلا آتا ہے کہ دین حق کو پہلے بے چارے غریب ہی نے قبول کیا، حضرت رسولؐ کے واسطے بھی یہی ہوا کہ اپنے اہل بیت کے علاوہ سچے دیندار حضرت مقدار، عمار، سلمان، ابوذر وغیرہ تھے" (۳۵)

مصنف لگے عقید کے مطابق اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ان چار بزرگوں کے سوا صحابہ کرام "سچے دیندار" ہی نہیں تھے۔ بلکہ نعوذ باللہ منافق اور بے دین تھے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب مرتد ہو گئے، جو تین چار بزرگ اس ارتداد سے محفوظ رہے، انہوں نے بھی طویل و کرباً سرگروہ مرتدین سے بیعت کر لی۔ اور انہی کے حلقہ بگوشی ہو گئے ان حلقہ بگوشان مرتدین میں سر فہرست حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہم گرامی ہے۔ یہ ہے مصنف کے نزدیک مہاجرین و انصار کی وہ

فضیلت جس کو قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے انا لله وانا اليه راجعون

ج۔ اصحاب حدیبیہ

سورۃ الفتح پوری غزوۃ حدیبیہ کے بارے میں ہے اس غزوہ میں شریک ہونے والے حضرات کی تعداد ۱۴-۱۵ سو کے درمیان تھی، جنہوں نے بڑی جانثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر موت اور جہاد کی بیعت کی تھی، اس سورہ میں ان کی بلیغ ترین مدح و توصیف فرمائی گئی ہے اور ان سے رضامندی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ جناب مصنف کے لئے قرآن کریم کا یہ اعلان بھی ناقابل قبول ہے۔ اس لئے وہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لئے راضی ہو گیا اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اول تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار

لہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا کہ ”ہذا عثمان“ یہ بیعت میں عثمانؓ کی طرف سے کر رہا ہوں اور حضرت عثمانؓ نے خود بیعت کی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ درجہ حضرت عثمانؓ کی وہ فضیلت ہے جس میں کوئی شریک نہیں۔

نہیں بلکہ صرف مؤمنین سے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ صرف وہ اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی۔ اب رہی آئندہ کی حالت تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمانداروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا۔ (ص ۹۲)

ہوایا خدا تعالیٰ نے آئندہ کا علم نہیں تھا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے اس نے وقتی فعل سے خوش ہو کر اپنی رضامندی کا ایسا اعلان فرمادیا۔ جو قیامت تک منبر و محراب میں تلاوت کیا جاتا رہے گا اور ملے! وہ سچے مؤمن کون تھے جن کے ایک عظیم کارنامہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضامندی کا متمتع عطا فرمایا؟ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان ”سچے مؤمنوں“ کے زمرہ میں نہیں آتے۔ جن کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی تھی۔ قاتلہم اللہ انی یؤفکون۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

حضرات خلفائے راشدین خصوصاً حضرت شیعین رضی اللہ عنہم کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر و وزیر کی تھی۔ آپ کے بعد ان کے ہاتھ سے ایسی اسلامی خدمات ظہور میں آئیں جن کی نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے اور پھر ان اکابر نے اپنی خدمات جلیلہ کے عوض ایک جو کے برابر کوئی مادی فائدہ نہیں لیا۔ حضرت شیعین رضی اللہ عنہما کا جو روزینہ بیت المال سے مقرر کیا گیا تھا انہوں نے اس کا بھی ایک ایک حصہ بیت المال کو واپس کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر سے سے کوئی وظیفہ بیت المال سے قبول ہی نہیں فرمایا۔ گویا ان

تینوں حضرات کی تمام خدمات (جن کی بدولت بعد کی تمام دنیا کو اسلام کی روشنی نصیب ہوئی) سب کی سب بے لوث اور بلا معاوضہ تھیں۔ اور پھر حضرات شیعین رضی اللہ عنہما کو وفات کے بعد بھی روضہ مطہرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا وہ شرف حاصل ہے۔ جس میں ان کا کوئی شریک و سهم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مخلص رفقا۔ جن کو حیثیتاً و مینتاً رفاقت نبوی کا دائمی شرف حاصل ہے اور امت کے ایسے محسن جن کے دم قدم سے بعد کے لوگوں کو دولت ایمان اور نور اسلام میسر آیا کسی مسلمان کا ان سے بغض و عناد رکھنا ناقابل فہم ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ان سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔ بانیان مذہب شیعہ نے ان بزرگوں کے خلاف اتنی کثرت سے روئیں گھڑی ہیں کہ تحریف قرآن کی روایات کے بعد شاید انہی کا نمبر ہوگا۔ ان یے شمار روایات میں روضہ کافی کی مندرجہ ذیل روایت ملاحظہ فرمائیے جس سے اندازہ ہوگا کہ بانیان مذہب شیعہ ان اکابر سے کس قدر بغض رکھتے تھے۔

حنان بن سدير اپنے باپ سے روایت کرتا کہ میں نے امام ابو جعفر سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا:

يا ابا الفضل! ما تسأل عنهما! لے ابو الفضل! ان دونوں کے بارے
فوالله ما مات من امت قط میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ پس اللہ
الاساخطا علیہما۔ و ما منا کی قسم! ہم میں سے جو مرا ان سے
اليوم الاساخطا علیہما۔ ناراض مرا۔ اور جو آج زندہ ہے وہ
يوصى بذلك الكبير منا بھی ان سے ناراض ہے۔ ہمارے بڑے

الصغير انهما ظلمتا ناحقنا اپنے چھوٹوں کو اسی کی وصیت کر کے
و منعنا فيئتنا و كانا اول من مرتے ہیں ان دونوں نے ظلماً ہمارا حق مارا
ركب اعناقنا و بشقا بشفافي اور ہماری فے ہم لوگوں سے روک لی یہ دونوں
الاسلام لا يسكر ابداً حتی پہلے شخص تھے جو ہماری گردنوں پر سوار ہوئے
يقوم قائمنا او يتكلم متكلمنا اور ان دونوں نے اسلام میں ایسا طوفان
ثوقال اما والله لو قد برپا کر دیا جو کبھی تھنے کا نام نہیں لے
قام قائمنا او تكلم متكلمنا گا۔ جب تک کہ ہمارے مہدی کا ظہور
لا بدی من امورهما ما نہیں ہو جائے یا ہمارا بولنے والا بات نہیں
كان يكتم، و لكنم من امورها کرنے لگتا پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر ہمارا
ما كان يظهر، والله ما مہدی کا ظہور ہو جائے یا ہمارا بولنے والا
است من بليّة ولا قضيه بولنے لگتا تو ان دونوں کی وہ باتیں ظاہر
تجری علينا اهل البيت الا کرتا جو چھپائی جاتی تھیں اور ان کی وہ
هما اسسا اولهما باتیں چھپاتا جو ظاہر کی جاتی تھیں اللہ
روضہ کافی ص ۲۵۴ مطبوعہ ایران) کی قسم! ہم اہل بیت پر جو آفت و مصیبت
بھی گذرتی ہے اس کی بنیاد انہی دونوں نے
ڈالی ہے۔

۱۔ سورہ محمد کی آیات ۲۵ تا ۳۳ میں کفار و مرتدین اور منافقین کا تذکرہ ہے۔
ان الذين ارتدوا على ادبارهم يترك جو لوگ راہ ہدایت صاف صاف
من بعد ما تبين لهم الهدى معلوم ہونے کے بعد بھی الٹے پاؤں
الشيطان سول دهم و املى (کفر کی طرف) پھر گئے۔ شیطان نے انہیں
لهم ذلک بانهم قالوا للذين (بتے دے کر) دھملا دے رکھی ہے۔

کرہوا ما انزل اللہ۔
سنطیعکم فی بعض الامر
واللہ یعلم اسرارہم
الی قولہ —

اور ان کی تمناؤں کی ریاں دراز کر دی
ہیں یہ اس لئے کہ جو لوگ خدا کی نازل
کی ہوئی کتاب سے بے نیاز ہیں یوں
سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم
تمہاری ہی بات مانیں گے اور خدا ان
کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے

ان الذین کفروا وصدوا عن
سبیل اللہ وشاروا الرسول
من بعد ما تبین لہم الہدی
لن یضروا اللہ شیئاً و سیحبط
اعمالہم

بے شک جن لوگوں پر (دین کی سیدھی)
راہ صاف ظاہر ہو گئی اس کے بعد
انکار کر بیٹھے اور (لوگوں کو) خدا کی راہ
سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت تو وہ۔
خدا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور
وہ ان کا کیا کرایا اکارت کر دے گا

جناب مصنف کے نزدیک ان آیات کا مصداق خلفائے راشدینؓ
اور ان سے بیعت کرنے والے صحابہؓ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ
عنه کو خلیفہ بلا فصل نہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی چنانچہ
لکھتے ہیں: حافظ ابو بکر بن مردویہ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان
لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور اسی کی مؤید
مؤید وہ دونوں روایتیں ہیں جو گذشتہ صفحہ میں مذکور ہو چکیں (۱۵۹)

مصنف کی اس تشریح کے مطابق ان آیات میں کافر اور مرتد
خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والے تمام صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کو قرار دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ — یہ بانیان
مذہب شیعہ کے بغض صحابہ کا ادنی نمونہ ہے۔

۲۔ سورہ والشمس کے شروع میں چند قسمیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے
چار یہ ہیں (۱) سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔ (۲) چاند کی جب کہ
وہ اس کے پیچھے نکلے۔ (۳) دن کی جب اسے چمکا دے۔ (۴) اور
رات کی جب اسے ڈھانک لے۔ (ترجمہ فرمان علی)

مصنف ان قسموں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

"ایک روایت ہے کہ سورج سے مراد حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قرعے مراد جناب امیر علیہ السلام

اور رات سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل بیت کے حقوق

کو غصب کر کے حاکم بن بیٹھے" (۱۰۷)

اہل بیت کے حقوق غصب کر کے حاکم بن بیٹھنے والوں سے مصنف
کی مراد حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس روایت
کے گھڑنے والے دانشمندیوں کو اتنی بھی تمیز نہیں تھی کہ یہ سورہ مکی ہے
جس میں اس قسم کی مہمل تفسیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور انہیں یہ
بھی تمیز نہ رہی کہ اس تفسیر کے مطابق تو حضرات خلفائے راشدینؓ بہت
ہی مقدس تھے کہ ان کے وجود کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی —
اور جن لوگوں کے نام کی خدا قسم کھا تا ہوا ان کو ظالم و غاصب کہنا کس
طرح صحیح ہو گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی

سورہ برات کے آغاز میں مصنف لکھتے ہیں :-

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کے شروع کی آیتیں حضرت ابوبکرؓ کو دیں اور کچھ آدمیوں کے ساتھ کر کے حکم دیا کہ مکہ میں جا کر کفار اور مشرکین کے مجمع عام میں پڑھ کر سنا دو۔ حضرت ابوبکرؓ روانہ ہوئے اس کے بعد حضرت جبریل یہ حکم خدا لے کر آئے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں اس کے لئے یا تو تم خود جاؤ یا جو شخص تم سے ہو اس کو بھیجو، آپ نے فوراً حضرت علیؓ کو ناذر پر سوار کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ ان آیتوں کو ابوبکر سے لے کر تم خود پڑھ کر سنا دو اور ابوبکر کو واپس کر دو۔ حضرت ابوبکر واپس آئے اور پوچھا کیا میرے بارے میں کوئی حکم آیا، فرمایا نہیں۔۔۔۔۔ دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مصر۔ اور اس کے تمام شیعہ سنی بالاتفاق قائل ہیں اور کسی کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی تعریضاً جناب امیر کی مدح میں لکھتے ہیں:

ولا كان معزولاً عن صلاة سبابة ولا في صلوة ام فيها مؤخرًا
(ترجمہ از ناقل) اور نہ حضرت علی کو براءت کا صبح کو معزول کیا گیا اور نہ جس نماز میں وہ امام تھے انہیں اس سے پیچھے ہٹایا گیا؟ (ص ۳۳۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہ ماہ ہجری میں حضرت ابوبکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اور مرض الوفا میں انہیں اپنی جگہ امام الصلوٰۃ بنایا۔ یہ دونوں واقعے اس کی قطعی دلیل ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اعلم و افضل اور آپ کی جانشینی وقائم مقامی کا مستحق کوئی دوسرا نہیں تھا۔ روافض کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کرنے کے لئے یہ جھوٹ گھڑنا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر حضرت ابوبکرؓ کو معزول کر دیا تھا۔ اسی جھوٹ کو ابن ابی الحدید رافضی معتزلی نے مندرجہ بالا شعر میں نظم کیا ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں غلط بیانی جناب مصنف اور ان کے ہم مسلک حضرات کا دین و ایمان ہے، اس لئے تقیہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے جناب مصنف نے بھی یہ جھوٹ گھڑ لیا کہ:

"اور حکم دیا کہ ان آیتوں کو ابوبکر سے لے کر تم خود پڑھ کر سنا دو۔ اور ابوبکر کو واپس کر دو!"

حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کو واپس کرنے کا حکم نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا نہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکرؓ کو واپس ہونے کے لئے کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خالص افتراء ہے جس کا گھڑنے والا اس ارشاد نبویؐ کا مصداق ہے:

من كذب على متعمداً جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط فلیتبعوا مقعده من بات منسوب کر دی وہ اپنا ٹھکانا النار (اصول کافی باب اختلاف الحديث ص ۱۱) دوزخ بنائے۔

پھر اس جھوٹ پر جھوٹ یہ گھڑتے ہیں کہ تمام شیعہ سنی اس کے قائل ہیں کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔ حالانکہ متفق علیہ بات

جس میں کسی کو اختلاف نہیں، یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر الحج تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے مامور اور ماتحت تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق نے خود امام محمد باقر کی یہ روایت نقل کی ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیج چکے تھے۔ کہ سورہ برآۃ نازل ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ ان آیات کو ابوبکر کے پاس بھیج دیتے (تو وہ مکہ میں ان کا اعلان کر دیتے) فرمایا (چونکہ یہ مسئلہ عہد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے عرب کے دستور کے مطابق) یہ پیغام وہی شخص پہنچا سکتا ہے جو میرے اہل بیت سے ہو۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بلا بھیجا۔ اور ان سے فرمایا کہ سورہ برآۃ کی ابتدائی آیات اور ان کے احکام لے کر دہاں جائیں اور قربانی کے روز جب سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں یہ اعلان کر دیں کہ جنت میں کوئی کافر نہیں داخل ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کا معاہدہ ہو تو طے شدہ میعاد تک اس کی پابندی کی جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہوئے اور راستہ میں حضرت ابوبکر سے جا ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ امیر ہو یا مامور؟ کہنے لگے، مامور

ہوں۔ پھر دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکر حج کے انتظامات میں مشغول ہو گئے۔ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ہدایت کے مطابق ان سب باتوں کا اعلان کر دیا۔

(سیرت ابن ہشام بر حاشیہ الرضی الاف ج ۲۲۸۲۲)

اسی طرح مرض الوفا میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا تو ایک روایت بھی ایسی نہیں کہ ان کو پیچھے ہٹایا گیا ہو۔

راقم الحروف کی کتاب "عہد نبوت کے ماہ و سال" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ صحیح روایات کی روشنی میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

"۹ ربیع الاول شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی جس کی وجہ سے تین بار بے ہوشی کی نوبت آئی اور نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکے اور بہن بار فرمایا، "ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ عشاء کی یہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اور باقی تین روز بھی وہی امام رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ جن کا سلسلہ شب جمعہ کی نماز عشاء سے شروع ہو کر ۱۲ ربیع

الاول دوشنبہ کی نماز فجر پر ختم ہوتا ہے۔ ان تین ایام میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے، قدم مبارک سے زمین پر نشان بن رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف تک پہنچے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور یہ نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ اس نماز میں امام تھے۔ یا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں یہ نماز ادا فرمائی تھی۔ دونوں قول مشہور ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

ان تین ایام کے آخری دن دوشنبہ کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز فجر کے وقت اپنے حجرے شریف کے دروازے کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کر رہے تھے۔ اور لوگ ان کے پیچھے صف آراء تھے، آپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ختم فرمایا۔ بعد ازاں پردہ چھوڑ دیا اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم فانی سے رخصت ہوئے (طبع اول ص ۳۶۶)

الغرض نہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امارت حج سے معزول کیا گیا۔ اور نہ نماز کی امامت سے انہیں ہٹایا گیا۔ بلکہ ان دونوں موقعوں پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر و امام تھے اور حضرت علیؓ کمالات

وجہ مامور و مقتدی تھے۔ اگر حضرات شیعہ کو نظر انصاف عطا ہوئی ہوتی تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقدس اور واجب الاحترام ہیں تو جس شخصیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا امیر و امام بنایا وہ ان سے بڑھ کر مقدس و واجب الاحترام ہیں۔ اگر یہ معصوم ہیں تو ان کے امیر و امام عصمت میں بھی ان سے فائق تر ہونے چاہئیں اور اگر یہ خلافت نبوت کے مستحق ہیں تو ان کے امیر و امام ان سے بڑھ کر مستحق خلافت ہیں۔ واقعہ یہ ہے اگر جماعت صحابہؓ میں کوئی شخص علم و فضل، درع و تقویٰ اور فضیلت و منقبت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بجائے اسی کو امیر جہاد اور امام صلوات مقرر فرماتے۔ اگر انصاف کیا جائے تو اپنی جانشینی اور خلافت بلا فصل کا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفا میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا مصلیٰ پروردگار کے حل کر دیا اب اس فیصلہ نبوی سے جناب مصنف اور ان کے دوست خوش ہوں یا ناخوش۔

ذ : حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

آیت حجاب کے تحت مصنف لکھتے ہیں :-

”مجاہد سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے کھانے کو پوچھا تو بیٹھ

گئے۔ اتفاقاً کھانے میں حضرت عمرؓ کی انگلی حضرت عائشہؓ کی انگلی سے لگ گئی۔ تو آپؐ کو ناگوار گذرا اور اسی وقت یہ آیت حجاب نازل ہوئی (دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۳ سطر ۲۲) (۶۳) جناب مصنف نے قاری کے ذہن پر اپنا اعتماد جمانے کے لئے کتاب کی جلد اور صفحہ ہی نہیں لکھا، سطر کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن غلط بیانی، جو ان کی فطرت میں داخل ہے اور جو ان کے دین کے دس حصوں میں نو حصے کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے یہاں بھی باز نہ رہے۔ ان کے خط کشیدہ الفاظ کا روایت کے اصل الفاظ سے مقابلہ کیجئے:

فقال عمر اودہ۔ لواطع۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا، ٹائیں! اگر آپؐ فیکن مارأتکن عین فنزلت تمہارے بارے میں میری درخواست آیۃ الحجاب: قبول فرماتے تو تمہیں کوئی آنکھ نہ دیکھ پاتی اس پر پردہ کی آیت نازل ہوئی۔

روایت کے مطابق اس واقعہ سے ناگواری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تھی اور انہی کے خواہش و درخواست کے مطابق آیت حجاب نازل ہوئی۔ اس سے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت ظاہر ہوتی تھی اس لئے جناب مصنف کی دیانت و امانت کو گوارا نہ ہوا کہ روایت کو جھوٹ کی آمیزش کے بغیر نقل کر کے تقیہ کے ثواب سے محروم رہیں۔ اس طرح جناب مصنف نے جگہ جگہ کذب و افتراء کی بھرمار کر کے ذریت ابن بابہ کی نمک خواری کا حق ادا کیا ہے۔ وسعیل الذین

ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ح: حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سورۃ النجم کے آخری رکوع افریت الذی الم کے تحت جناب مصنف لکھتے ہیں:

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر کچھ خیرات دیا کہ تے تھے ایک دفعہ ان کے عزیز عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے ان سے کہا کہ تم اتنا خرچ کرتے ہو کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم فقیر نہ ہو جاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں بہت بڑے گناہ کئے ہیں اس لئے خیرات کرتا ہوں کہ شاید خدا ان کو معاف کر دے۔ عبد اللہ بولا یہ اونٹ جو بارے لدا ہوا ہے مجھے دے دے، تو میں تیرے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہوں حضرت عثمان نے فوراً دے دیا اور دو گواہ بھی کر لئے۔ اس کے بعد خیرات تصدق سب یکدم موقوف کر دی تو انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور روگردانی کرنے سے جنگ احد میں بھانا مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۶ مطبوعہ مصر) (۹۴)

یہاں جناب مصنف نے کمال تقیہ کا دو طرح مظاہرہ فرمایا ہے، ایک یہ جو روایت انہوں نے کشف سے نقل کی ہے وہ قطعاً جھوٹی اور کسی رافضی کی گھڑی ہوئی ہے چنانچہ روح المعانی جلد ۶ میں ہے:

واما ما فی الکشاف انها نزلت اور یہ جو کشف میں ہے کہ یہ آیات فی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے فباطل کما قال ابن عطیة میں نازل ہوئیں تو یہ قطعاً باطل ہے لا اصد نہ ۔ جیسا کہ ابن عطیہ نے کہا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ۔

چونکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جھوٹ گھڑا اور جھوٹ کو پھیلا نا ہی جناب مصنف کا مسلک ہے اس لئے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس جھوٹی روایت کو نقل کر کے حق تقیہ ادا کیا ہے ۔ پھر دوسرا کمال یہ دکھایا کہ روایت کا آخری حصہ حذف کر دیا چنانچہ کشف میں ہے :

فعاد عثمان الی احسن من ذالک ان آیات کے نزول کے بعد حضرت واجمل (ص ۲۷۰ - ۲۷۱) عثمان رضی اللہ عنہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر صدقہ وغیرات کرنے لگے ۔

چونکہ ان آخری الفاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کا حین ترین پہلو قاری کے سامنے آ جاتا ہے اور یہ جناب مصنف کے مسلک تقیہ کو قطعاً گوارا نہیں ۔ اس لئے وہ روایت کے آخری حصہ کو شربت محرم سمجھ کر پنی گئے ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جناب مصنف کا تصنیف کردہ ایک اور جھوٹ ملاحظہ فرمائیے ۔ سورہ عبس کی ابتدائی بات کے بارے میں لکھتے ہیں :

”ایک روز حضرت رسولؐ کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے

ہوئے تھے عبد اللہ بن مکتومؓ جو خاص صحابی مؤذن اور نابینا تھے کچھ احکام پوچھنے کے واسطے آپ کے پاس حاضر ہوئے آپ نے منتہائے اخلاق اور ان کی نابینائی کی وجہ سے حضرت عثمان سے جو آپ کے پاس بیٹھے تھے، آگے بٹھایا، یہ امر حضرت عثمان کو ناگوار گذرا، عبد اللہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے یہ بات خدا کی مرضی کے خلاف تھی حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس سے عبد اللہ کی مدح اور حضرت عثمان کی تنبیہ مقصود تھی۔“

یہ کہانی جناب کی طبع زاد ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حیاء اور تواضع کا اس قدر غلبہ تھا کہ فرشتے ان سے حیا کرتے تھے ۔ کیا وہ یہ بے تمیزی کر سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پشت کر کے بیٹھ جائیں ؟ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا صحابہ نہ کو ناگوار ہو ؟ غالباً جناب مصنف نے صحابہ کرام کو بھی کوئی کے شیعیان حسن پر قیاس کر لیا ؟

طہ : امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

جناب مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ازواج مطہرات اور مسلمانوں کی ماؤں کے بارے میں بھادریہ دہنی سے دریغ نہیں کیا ۔

۱۔ سورہ النور کی آیات افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت

”کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم کو طلاق دو گے تو ہم کو کوئی دوسرا شوہر نہ ملے گا“

اس قدر تکلیف دہ ہیں کہ جبین حیاء کو پسینہ آجاتا ہے،
اختصار کے پیش نظر اس باب میں حضرات صحابہ کرام، خلفائے
راشدین اور ازواج مطہرات امہات المؤمنین (رضی اللہ عنہم اجمعین)
کے بارے میں مصنف کی کذب بیانی اور افتراء پر دازی کی چند مثالوں
پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ مصنف کا قلم اس سلسلہ میں بہت ہی بے باک
اور گستاخ ہے اور اس نے ان مقدسین کے بارے میں جگہ جگہ
گندگی اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ حیف ہے اس دعوائے ایمان پر
جو یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتد اور بے ایمان قرار دے کر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا مرتکب ہوا اور کف ہے اس دعوئے
اسلام پر جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی عزت و حرمت کے ساتھ کھیلنے سے
باز نہ رہے جو قرآن کریم کی نص سے اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ اور کوئی
شریف آدمی اپنی ماں سے بے ہودہ گفتاری اور بدگوئی نہیں کیا کرتا
اگر مصنف کا تعلق بھی اہل ایمان کی برادری سے ہوتا تو وہ قرآن کریم
کے حواشی کو اس گندگی سے ملوث نہ کرتے

باب سوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حرف: شان علی میں غلو

جناب مصنف لکھتے ہیں:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص میرے بارے میں
گمراہ اور داخل جہنم ہوں۔ ایک وہ جو میری دوستی میں
افراط کر کے مجھے میرے مرتبہ سے بڑھا دیتا ہے اور دوسرا
وہ جو مجھے میرے مرتبہ سے گھٹا دیتا ہے۔ اس
سے ثابت ہوا کہ جو لوگ آپ کے فضائل کی خواہ مخواہ
تاویلین کرتے ہیں یا کسی امام کو نبوت یا خدائی کے درجہ
تک پہنچا دیتے ہیں، خارج از ایمان ہیں“ (ص ۵۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

حضرت نے جناب امیر کی طرف خطاب کر کے فرمایا یا علی
تمہاری مثال بھی عیسیٰ کی ہے کہ کچھ لوگ تو ان کی دوستی میں
گمراہ ہوئے اور کچھ دشمنی میں“ (ص ۵۵)

مصنف کی نقل کردہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی
اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے تین فریق ہوں گے ایک آپ کی عداوت
و دشمنی کی وجہ سے گمراہ اور جہنمی ہو گا۔ یہ خوارج کا گروہ ہے دوسرا

آپ کی محبت میں غلو کر کے گمراہ اور خارج از ایمان ہو گا۔ یہ شیعوں کا گروہ ہے۔ اور ایک فریق وہ ہو گا۔ جو آپ کی شان میں نہ تو افراط کرے گا نہ تفریط، بلکہ نقطہ اعتدال پر قائم رہے گا۔ یہ سواد اعظم اہلسنت ہیں۔ چنانچہ اہل سنت آپ کی محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، آپ سے بغض و عداوت کو نشانِ نفاق و طغیان تصور کرتے ہیں، آپ کے اعلیٰ ترین فضائل و مناقب کے دل و جان سے قائل ہیں۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز خلیفہ؛ راشد اور مبشر باجنتہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی مدح میں غلو نہیں کرتے۔ نہ انہیں انبیاء کرام کے ہمسر کہتے ہیں۔ نہ ان کے لئے لوازم نبوت (عصمت وغیرہ) ثابت کرتے ہیں۔ نہ انہیں شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہیں اطلاع پہنچی کہ بعض لوگ انہیں حضرت شیخین پر فضیلت دیتے ہیں تو ممبر پر تشریف لے گئے اور حمد و صلوة کے بعد فرمایا:

يا ايها الناس انه قد بلغني ان
توما يفضلونني على ابي بكر
عمر و نو كنت تقدمت فيه
لعاقت فيه فمن سمعته بعد
هذا اليوم يقول هذا فهو
مفتري عليه حد المفتري ثبو
قال ان خير هذه الامة بعد
نبيها ابو بكر وعمر ثبو

اللہ أعلم بالخیر بعد۔ قال
وفي المجلس الحسن بن علی
فقال والله لوسم الثالث
لستی عثمان (ازالة الحفا ۱۸ ج ۱)
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت
میں سب سے افضل ابو بکر و عمر رضی
اللہ عنہما ہیں۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ
ہی کو معلوم ہے کہ کون افضل ہے
راوی کہتے ہیں کہ مجلس میں حضرت
حسن رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما
تھے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم اگر
آپ کسی تیسرے کا نام لیتے تو حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیتے۔

ازالة الحفاء مسند علی رضی اللہ عنہ (۱۸ ج ۱) میں وہ تمام احادیث
جمع کر دی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرات شیخین کی فضیلت
و منقبت میں مروی ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد
بھی نقل کیا ہے:

عن قیس بن عباد قال قال لی
علی ابن ابی طالب ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مرض
لیالی وایا ما ینادی بالصلوة
فیقول مروا ابا بکر یصلی
بالناس؛ فلما قبض رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نظرت فاذا الصلوة علو

قیس بن عباد کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن رات تک
بیمار رہے، نماز کی اذان ہوتی تو ارشاد
فرماتے کہ ابو بکر کو کہو لوگوں کو نماز
پڑھائیں۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے
غور کیا کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا

الاسلام وقوام الدین: فرضنا لدنیانا۔ من رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا ، فبیاعنا ابامکر (ص ۶۸) پس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لئے پسند کر لیا۔ اس لئے ہم نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور باقی صحابہ کو بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہم منقذ ہی بنایا تھا۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی اقتدا کی۔ ان کو اپنا امام اور خلیفہ تسلیم کیا اس لئے حضرات اہل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کی اقتدا کرتے ہوئے ان تینوں اکابر کو، جو حضرت علیؓ کے امام تھے۔ ان سے افضل سمجھتے ہیں اور ان تین کے بعد آپؐ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ الغرض اہل سنت آپ کے حق میں افراط و تفریط کے قائل نہیں، بلکہ جادۂ اعتدال پر قائم ہیں۔ اس جادۂ اعتدال سے ہٹ کر شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کس طرح غلو کیا ہے؟ اس کے چند نمونے جناب مصنف کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۶۱، جو آیت مباہلہ کے نام سے مشہور ہے۔ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”یہ حضرت علیؓ کی اعلیٰ فضیلت ہے کہ نفس رسول، خدا

کے حکم سے قرار پائے اور تمام انبیاء سے افضل ٹھہرے“ (ص ۱۰۴) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ ہی سے افضل نہیں بلکہ نعوذ باللہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ مصنف نے یہ عقیدہ حل نہیں کیا کہ جب ان کے بقول علیؓ نفس رسولؐ ہیں تو حضرت فاطمہؓ سے ان کا نکاح کیسے جائز ہوا۔

۲۔ سورہ زخرف کی آیت ۴۵ میں ہے:

”اور ہم نے تم سے پہلے اپنے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھو کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے“ (ترجمہ فرمان علی)

اس کے ذیل میں جناب مصنف لکھتے ہیں،

ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ شب معراج میں میرے پاس ایک فرشتہ آیا۔ اور اس نے کہا کہ اپنے قبل کے انبیاء سے پوچھئے کہ وہ لوگ کس بات پر پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان پیغمبروں سے پوچھا۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ کی رسالت اور علی بن ابی طالب کی ولایت پر بھیجے گئے۔

(دیکھو تفسیر نیشاپور جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ طهران ص ۸۸۷)

کیوں نہ ہو جب علیؓ تمام انبیاء سے افضل ہیں تو ان سے علی کی ولایت کا عہد بھی ضرور لیا گیا ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۔ سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲ میں ”عہد الست“ کا ذکر ہے ۳۱،

کے ذیل میں جناب مصنف لکھتے ہیں :

"یہ اقرار عہد الست کا ہے جب دنیا میں کوئی موجود نہ تھا اور خدا نے محض اپنی خدائی کا اقرار نہ لیا تھا۔ بلکہ حضرت رسولؐ کی رسالت اور حضرت علیؑ کی امارت و ولایت کا بھی۔ اور وہ بھی محض انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے بھی۔ چنانچہ یہ حدیث اسی آیت کی تائید یا تفسیر میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ لوگ اگر جانتے کہ علیؑ کا نام امیر المؤمنین کب رکھا گیا۔ تو ان کی فضیلت سے انکار نہ کرتے۔ علیؑ امیر المؤمنین اس وقت کہلائے جب آدمؑ کا روح وجد درست نہ ہوا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے اِخْذِ الْآيَةَ الْمُسْتَبْرَكَةَ تَوْفَرِشْتُونَ لَنْ يَكُنَ لَكَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ عَدُوٍّ يُؤْذِيكَ وَهُوَ مُكَرَّمٌ (۲۸)

یعنی خدا نے اس موقع پر کسی نبی کی رسالت و نبوت کا تو عہد نہیں لیا۔ مگر علیؑ کی امارت و ولایت کا عہد لینا اور وہ بھی انسانوں سے نہیں بلکہ فرشتوں سے) ضروری سمجھا کیونکہ علیؑ کی امارت و ولایت کے مقابلہ انبیاء کی رسالت و نبوت کی کیا حیثیت ہے۔ مگر قرآن کریم میں صرف عہد ربوبیت کا ذکر ہے کیا خدا نعوذ باللہ بھول گیا تھا کہ اس رافضی روایت کے ذریعہ سے یاد دہانی کی ضرورت پیش آئی۔ ؟

۴۔ سورہ الاحزاب کی آیت ۵۶، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و سلام بھیجنے کا حکم ہے، کے ذیل میں لکھتے ہیں :

"ایک روایت میں ہے کہ شجر اسلام کی شادابی کے قبل ملائکہ نے حضرت علیؑ پر مدتوں درود بھیجا۔ مناقب مرتضوی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے مجھ پر اور علیؑ پر ملائکہ نے سات بار درود بھیجا (ص ۷۷)

جب علیؑ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اور خدا کی خدائی کے ساتھ ان کی امارت و ولایت کا عہد لیا گیا ہے تو فرشتے کسی اور پر درود بھیجیں نہ بھیجیں مگر علیؑ پر ضرور بھیجتے ہوں گے مگر اس روایت کے گھڑنے والوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ شیعہ اصول کے مطابق شجر اسلام شاداب ہی کب ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ سخت کے نتیجہ میں ۳-۴ سچے مسلمان ہوئے، باقی سب ایسے ویسے ہی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب کے سب یا تو مرتد ہو گئے۔ یا مرتدین کے حلقہ گبوشن۔ کیا یہی شجر اسلام کی شادابی ہے ؟

۵۔ سورۃ البقرہ کی آیت میں ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے۔ جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ مصنف لکھتے ہیں،

"وہ کلمات جن کی برکت سے خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی، اسمائے پنجتن یعنی محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن حسین علیہم السلام ہیں" (ص ۱۵)

۱۔ سورۃ ال عمران کی آیت ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں:

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول آل ابراہیم سے ہیں ان کا یہ بھی قول ہے کہ محمد و آل محمد حضرت ابراہیم کے اہل بیت ہیں۔ پس اس آیت سے صاف صریح طور پر ثابت ہوا کہ خدا نے حضرت رسول اور ان کے اہل بیت کو سارے جہان سے افضل بنایا ہے فرشتے ہوں یا جنات آدمی ہوں یا غیر، حتیٰ کہ پیغمبروں پر بھی فضیلت ثابت ہو گئی“ (ص ۹۴)

چشم بد دور، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ تمام اہل بیت انبیاء کرام سے افضل ہو گئے۔ یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعی غلو کے چند نمونے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعتہ ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں عداوت میں شریک ہیں۔ ہر نبی سے ان کا عہد لیا گیا ہے اور تمام انبیاء کرام تقرب الی اللہ کے لئے ان کے طفیلی ہیں نعوذ باللہ من الخوایة والخباہة

ب: وصایت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں شیعوں کے بے جا غلو کی ایک مثال ان کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، جانشین اور خلیفہ بلا فصل تھے چنانچہ

اس غلو کو اپنے کلمہ و اذان تک میں داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ اس غلو پر نہ تو وہ قرآن کریم کی کوئی نص پیش کر سکتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد گرامی۔ اس لئے شیعوں کو اس مقصد کے لئے جھوٹی روایات کا ایک طومار تیار کرنا پڑا۔ لیکن وہ روایات خود ہی ”دروغ گورا حافظ نباشد“ کی شہادت دے رہی ہیں اور ان میں ایسا اختلاف و تناقض ہے کہ کسی شیعہ کے لئے یہ بتانا ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ اور وصی کب مقرر کیا تھا۔ جناب مصنف نے بھی موقعہ بے موقعہ ان روایات کو اپنے حواشی قرآن کی زینت بنایا ہے یہاں بطور نمونہ ان کے چند حوالے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اوپر مصنف کی ذکر کردہ روایت نقل کی جا چکی ہیں کہ عداوت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی کے اقرار کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا عہد لیا تھا۔

۲۔ سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۳ وانذر عشیرتک الاقربین کے ذیل میں جناب مصنف نے مندرجہ ذیل روایت درج کی ہے:

”صاحب تفسیر معالم التنزیل نے اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت علی نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے مجھ سے فرمایا خدا کا ایسا حکم ہے۔ مگر چونکہ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کو اس حکم کے سننے سے رنج کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس وجہ سے ساکت

تھا مگر پھر دوبارہ باعتبار حکم آیا ہے۔ اب کوئی چارہ نہیں تو تم کچھ روٹی، بکرے کی ایک ران، ٹھوڑے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں عبکس، حمزہ، ابولہب، ابوطالب ایسے چالیس آدمیوں کو بلا بھیجا اور وہ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے پہلے اپنا ہاتھ لگا دیا۔ اس کے بعد ان سے کھانے کو فرمایا سب کے سب کھا کر سیر ہو گئے حالانکہ وہ کھانا بظاہر ایک آدمی سے زیادہ کھانے کا نہ تھا۔ اب آپ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب مردود نے بات کاٹ کر کہا کہ تمہارے صاحب نے بڑا سخت جادو کیا ہے یہ سننا تھا کہ سب کے سب چل دئے۔ دوسرے دن حضرت نے اسی سامان کا حکم دیا اور کھانے کے بعد فرمایا۔
 اے فرزدان عجب مناف! میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں اور ایسی اچھی خبر لایا ہوں۔ کہ اس سے قبل کوئی تمہارے پاس نہیں لایا، اور مجھے خدا نے تمہیں اس کی طرف دعوت کا حکم دیا ہے تو تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وزیر بنے اور میرے کام میں میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ تمہارے درمیان ہو۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یہ یا رسول اللہ" اسی طرح حضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

سوا کسی نے جواب نہ دیا تب آپ نے فرمایا تو ہی میرا وزیر، میرا وصی، میرا بھائی، میرا خلیفہ ہے۔ اور یہ روایت باختلاف الفاظ تفسیر در مشکوٰۃ، مسند احمد بن حنبل، ریاض السنہ وغیرہ کتب اہل سنت میں بھی مذکور ہے۔ (ص ۶۷، ۶۸)

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں

اول یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت علانیہ کا آغاز فرمایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ کو اپنے اہل قرابت کو دعوت دینے کا حکم ہوا تھا۔ روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فریضہ سے متعلق حکم خداوندی کی اس وقت تک تعمیل نہیں فرمائی۔ جب تک آپ پر عتاب الہی نازل نہیں ہوا۔

دوم یہ کہ اس موقع پر آپ نے بحکم خداوندی صرف اپنے اہل قرابت کو بلایا تھا جن میں آپ کے چچاؤں کا نام سرفہرست تھا۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہیں کی بلکہ کھا پی کر ٹکسا جواب دیدیا۔ بعد میں حضرت عبکس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو تو اسلام کی سعادت نصیب ہوئی مگر ابولہب اور ابوطالب بدستور اپنی حالت پر رہے۔

سوم یہ کہ اس موقع پر آپ کے عزیزوں میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی دعوت قبول کی۔ جن کی عمر اس وقت غالباً تیرہ سال تھی۔ اور آپ نے اپنے اہل قرابت کے درمیان اس وقت جو سب کے سب غیر مسلم تھے ان کو اپنا وزیر

لے نقل مطابق اصل

اور خلیفہ مقرر فرمایا۔

رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت کے خلیفہ بھی حضرت علیؓ ہی ہوں گے؟ اس کا تصور اس وقت دور دور بھی نہیں تھا۔ کیونکہ آغاز دعوت کے وقت ابھی امت ہی کہاں وجود میں آئی تھی۔ جس کی خلافت و امارت کا سوال پیدا ہوتا۔ چہارم: جناب مصنف نے اس روایت کو مستند باور کرانے کے لئے اہل سنت کی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ اہل سنت کے نزدیک یہ روایت کس پائے کی ہے؟ حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کر کے لکھا ہے:

تفرد بهذا السياق عبد الغفار بن القاسم بن ابی مریو قاسم بن ابی مریم نقل کرتا ہے اور وہ متروک کذاب شیعہ وہ متروک کذاب رافضی ہے۔ علی التمسہ علی بن المہدی بن مدینی وغیرہ نے کہا کہ یہ شخص وغیرہ بوضع الحدیث روایتیں گھڑا کرتا تھا اور آئمہ نے وحفظہ الاثمۃ رحمہم اس کی تصنیف کی ہے۔

اللہ (ص ۳۷۲)

۳۔ سورہ مائدہ کی آیت ۶۷ (یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک) کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت علیؓ کے بارے میں نازل

ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے۔ "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولیٰ المؤمنین۔ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ واللہ یصمک من الناس" (۱) لے رسول جو حکم اس بات کا کہ علی تمام مؤمنین کے حاکم ہیں، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم غاس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ملا جلال الدین سیوطی۔ جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ سطر ۸ مطبوعہ مصر۔ سچ یوں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ ایک عرصہ سے چاہتے تھے کہ علی ابن ابی طالب کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیں مگر کچھ اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے خوف سے اس پر اقدام نہ کرتے تھے۔ آخر خدا نے آخری حج کے بعد راستہ میں یہ تاکید حکم نازل کیا۔ تب تو حضرت مجبور ہو گئے۔ اور ایک مقام پر جس کا نام غدیر خم تھا ایک لاکھ آدمیوں کے سامنے اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ (ص ۲۱۲)

مصنف کی ان عبارات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ ایک یہ کہ غدیر خم سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ اس لئے شیعہ صاحبان کی وہ تمام روایات از خود غلط ثابت ہوتی ہیں۔

جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنایا تھا۔

دوم یہ کہ اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نامزدگی تب ثابت ہوتی ہے جب کہ اس آیت کریمہ میں تحریف کی جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت جس شکل میں موجود ہے اس کا ولایت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں، اور راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں "ان علیا مولیٰ المؤمنین" کے الفاظ بھی اس آیت میں پڑھے جاتے تھے۔ پس اگر یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو قرآن کریم غلط ہوتا ہے۔ اور اگر قرآن کریم کو صحیح اور درست تسلیم کیا جائے تو اس روایت کے بموجب ولایت علی رضی اللہ عنہ بھی غلط ہو جاتی ہے ہمیں معلوم ہے کہ شیعہ کو قرآن سے کوئی لچپی نہیں ان کا اصرار غالباً یہی ہو گا کہ یہ جھوٹی روایت بالکل سچی ہے اور قرآن نعوذ باللہ غلط ہے۔ بہر حال شیعہ جب تک قرآن کو غلط نہ کہیں ولایت علی ثابت نہیں ہوتی۔

سوم: یہ کہ جناب مصنف نے مولیٰ کے معنی حاکم کے لئے ہیں، حالانکہ مولیٰ کا لفظ کثیر المعانی ہے۔ قرآن کریم میں ہے "فان الله هو مولاه وجبریل وصالح المؤمنین" کیا یہاں یہ معنی لئے جائیں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ جبریل اور نیک مؤمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاکم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے "انت مولانا" تم ہمارے مولیٰ ہو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تم ہم سب کے حاکم اور خلیفہ

ہو؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو کسی موقع پر مولیٰ المؤمنین فرمایا تو اس کے معنی خلیفہ بلا فصل کہاں سے نکل آئے۔

چہارم: مصنف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ سیاسی لیڈروں کی طرح اپنے لوگوں سے غافل رہتے تھے کہ کہیں آمادہ مخالفت ہو کر ساتھ نہ چھوڑ دیں پنجم: علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و نامزدگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفات و منیٰ کے عظیم الشان اجتماعات کو چھوڑ کر ایک گنم دیرلنے کا انتخاب فرمایا جسے غدیر خم کہا جاتا ہے حجۃ الوداع میں اس کا اعلان نہ کرنے میں بھی شاید یہی حکمت ہو گی کہ لوگ برگشتہ ہو کر نہ چلے جائیں۔

ششم: بقول شیعہ غدیر خم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اس کے دو ماہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر دیتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو ان کا مقتدی بنا دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اگر غدیر خم میں ان کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو مرض الوفا میں ان کو اس منصب سے معزل کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین کر دیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اینان مذہب شیعہ نے آفتاب نصف النہار پر خاک ڈالنے کے لئے "وصایت علی" کا جو عقیدہ تصنیف کیا اس کے مقاصد

پر عقائد و نظریات کی بنیادیں استوار کرنا شیعوں کا طرہ امتیاز ہے چونکہ ان کی افسانہ طرازی کا اصل مدف "ائمہ علیہ" کی تنقیص ہے اس لئے ان کے نزدیک مدح علیہ کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک کہ باقی سب کی نفی نہ کی جائے۔ جناب مصنف نے اس افسانہ نگاری کے نمونے اپنے حواشی قرآن میں جگہ جگہ پیش کئے ہیں چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

- ۱۔ سورۃ الانفال کی آیات ۶۱ تا ۶۴ میں ارشاد ہے:
- اور اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو۔ اور خدا پر بھروسہ رکھو (کیونکہ وہ بیشک سب کچھ سننا جانتا ہے) اور اگر وہ لوگ تمہیں فریب دینا چاہیں تو (کچھ پرواہ نہیں) خدا تمہارے واسطے یقینی کافی ہے، (اے رسول) وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی (۶۲) اور اسی نے ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہم ایسی الفت پیدا کر دی کہ اگر تم جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر ڈالئے۔ تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت پیدا نہ کر

لہ شیعہ حضرات دوازدہ امام کے قائل ہیں لیکن افسوس کہ ان تین ائمہ کو نہیں مانتے جن کے ہاتھ پر مولائے علیؑ نے بیعت کی۔ جن کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھے اور جن کو رشتے دئے۔ میں نے انکو "ائمہ علی" کے لقب سے بلے محل تعبیر نہیں کیا۔ امام اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تھے و باقی دو حضرت علیؑ کے پسندیدہ۔

حب ذیل تھے۔

- ۱۔ قرآن کریم کو تحریف شدہ ٹھہرانا۔ کیونکہ تحریف قرآن کے بغیر "ولایت علی" ثابت نہیں ہوتی۔
- ۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ناکام ثابت کرنا۔ کہ آپ کی ۲۳ سالہ محنت کا نتیجہ چند منافقوں کی بھیڑ جمع کرنے کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوا۔

- ۳۔ پوری امت اسلامیہ کو گمراہ قرار دینا۔ کیونکہ جب "وصی رسول" کا حق دبا کر لوگ مرتد ہو گئے۔ اور سب نے (نفوذ بائس) ایک ظالم اور مرتد کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ایک فرد بھی اسلام پر قائم نہ رہا۔
- ۴۔ یہ ثابت کرنا کہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ایک دن بھی آگے نہیں چلا۔ امام غائب کے زمانے میں حقیقی اسلام رونما ہوگا۔ مگر نہ وہ آئیں اور نہ اسلام آئے۔ گویا "وصایت علی" کا عقیدہ عداوت قرآن، عداوت رسول، عداوت اسلام اور عداوت امت اسلامیہ کے لئے تصنیف کیا گیا۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے اپنی محبت میں غلو کرنے والوں کو گمراہ اور خارج از اسلام فرمایا۔

ج۔ افسانہ نگاری

اسلامی تاریخ افسانہ نویسی کا فن شاید سب سے پہلے شیعوں کی ایجاد ہے، واقعات کی فرضی و افسانوی تصویریں مرتب کرنا اور ان

سکتے۔ مگر خدا ہی تھا جس نے ان میں باہم الفت پیدا کی، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے (۶۳) اے رسولؐ! تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان ہیں۔ کافی ہیں (۶۴) (ترجمہ فرمان علی)

ان آیات میں جن مومنین کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کا ذکر کیا گیا ہے مصنف کے نزدیک اس سے صرف حضرت علیؓ مراد نہیں؛ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”ابن عساکر نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔۔۔۔۔ کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں کیٹا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں۔ محمدؐ میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے اس کی علیؓ سے مدد کی۔ چہ اور یہی مطلب هو الذی ایہک الایۃ کا ہے“ (من۳۳)

لیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار صرف علیؓ تھے اور وہی ”مومنین کی جماعت“ ہیں۔ باقی صفر۔

۲۔ قیدیان بدر کا واقعہ مشہور ہے، جس کے بارے میں سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ ما کان لنسبی ان یکون لہ اسری الا یہ نازل ہوئی۔ جناب مصنف لکھتے ہیں؛

”جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسولؐ نے اصحاب مشورہ کیا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یہ لوگ آپ کی قوم کے ہیں اور رشتہ دار ہیں ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا یہ لوگ مشرکوں کے پیشوا ہیں انہوں نے آپ کو شہر بدر کیا ہے ان پر رحم کھانا مناسب نہیں حکم دیجئے کہ سب کی گردن مار دی جائے، عباسؓ کو میرے حوالے کیجئے۔ عقیل کو علیؓ کے، علیؓ ہذا القیاس۔ انہوں نے جوش ایمان۔ سعد بن معاذؓ نے کہا کہ ان سب کو ایک گروہ میں ڈال کر اوپر سے کوڑا رکھ کر آگ لگا دیجئے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ تین حال سے خالی نہیں۔ یا یہ لوگ فدیہ دیں، یا اسلام قبول کریں یا قتل کئے جاویں۔ مگر کچھ اصحاب نے فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ اور کسی کو قتل نہ کیا دوسرے روز حضرت رسولؐ کو دیکھا کہ وہ بہت رنجیدہ بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی طبع میں فدیہ لینے سے عذاب اتنا قریب تھا جیسے یہ درخت۔ اسی بناء پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی“ (صل۳۳)

اسی کے ساتھ مصنف یہ بھی لکھتے ہیں؛

”ملا عبد الرزاق محدث حنبلی نے اپنی کتاب عز الدین میں روایت کی ہے کہ یہ آیت خاص حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی“

اس واقعہ میں مصنف نے جو افسانہ نگاری کی ہے اس کے چند

نکتے ملاحظہ فرمائیے:-

الف: قیدیان بدر کے قتل کا مشورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا

لیکن مصنف کو "داماد علی" اور امام علی "کانام لینا گوارا نہیں مصنف نے ان کی جگہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام جڑ دیا اور "اللہ سے جوش ایمان کہہ کر ان کو داد بھی دے دی۔

ب : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موافقت فرمائی تھی اس لئے وہ عتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک حال تھے۔ اور یہ ایسی منقبت ہے جو کسی دوسرے کو میسر نہیں آئی۔ مگر مصنف ان پر "طبع" کی تہمت لگاتے ہیں۔

ج : مصنف بتاتے ہیں کہ "اصحاب نے سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔" — حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تین آدمیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا گیا۔

د : اس آیت کریمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور و نزدیک کوئی ذکر نہیں مگر مصنف بتاتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی۔

۳۔ سورۃ ال عمران کی آیت ۵۵ کے تحت جنگ امد کا واقعہ لکھتے ہیں :

"اس جنگ میں لشکر اسلام کے علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور کفار کا طلحہ بن ابولطعمہ داری۔ سب سے پہلے انہی دونوں میں میٹھ بیٹھ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اس کو داویل جہنم کیا اس کے بعد ابوسعید بن ابولطعمہ نے علم اٹھایا اور اس کو بھی آپ نے قتل کیا اس کے بعد باری باری نو آدمیوں نے اسے اٹھایا اور آپ کے ہاتھ سے فی النار ہوئے آخر صواب نامی ایک حبشی غلام نے ہمت کی اور آپ کے سامنے آیا اور طلحہ داری کے عہدے پر فائز ہوا آخر وہ بھی ٹھنڈا ہو گیا تب ایک عورت غزوہ بنت علقمہ نے

اس نشان کو بلند کیا اور ایک طرف انصار نے قریش پر حملہ کیا اس کے بعد پھر سب کے سب — مہاجر و انصار بھاگتے نظر آئے ایک طرف حضرت امیر حمزہ نے کشتوں کے پتے لگائے اتنے میں ہندو زوجہ ابوسفیان نے ایک حبشی غلام کو اپنے وصل کے وعدہ پر ابھارا کہ تو محمدؐ یا علیؑ یا حمزہؑ کا سر کاٹ لا وہ بولا محمدؐ تک تو میری بانی نہیں ہو سکتی

اور علیؑ نے خوف معلوم ہوتا ہے ! مگر حمزہ کو قتل کرنا ہوں " (ص ۱۲۱) ذرا واقعہ کی تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ مہاجرین و انصار سب بھاگتے نظر آئے۔ حضرت حمزہ شہید ہو گئے۔ میدان تنہا حضرت علیؑ کی جیت لیا۔ اور "ہندو زوجہ ابوسفیان نے حبشی غلام کو اپنے وعدہ وصل پر ابھارا" ایسی گندی گالی ہے جو ارباب متعہ ہی کے قلم سے نکل سکتی ہے۔

۴۔ جنگ احزاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

۹۰ "خندق کے تیار ہونے کے تین روز بعد کفار کا لشکر بھی آگیا اور مسلمانوں کے رہتے رہے خواہ جاتے رہے۔ کفار کا لشکر مدینہ سے کچھ میدان میں خیمہ زن ہوا۔ مسلمان تو خندق کے قلعہ میں تھے اور کفار محاصرہ کئے ہوئے یہاں تک کہ ستائیس روز گزر گئے۔ فریقین سے پتھراؤ اور تیر چلتے رہے اور موقعہ پاکر شب خون بھی ہوتے اور حضرت ان کا دفعیہ کرتے مگر جب سختی انتہا کو پہنچی اور مسلمانوں کی حالت وہ تھی جس کو خدا نے خود بیان فرما دیا ہے تو آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ

سے مشورہ کیا۔ کہ آیا ان لوگوں کو کچھ دے لیکہ واپس کر دوں۔ دونوں نے نہایت دلیری اور جوش کے ساتھ جواب دیا کہ اگر اس بارے میں وحی آئی ہو تو جائے دم زدن نہیں۔ ورنہ ہم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے، ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔ اس وقت آپ کو بھی ان کی طرف سے اطمینان ہوا (گویا پہلے آپ ان کی طرف مطمئن نہیں تھے۔ ناقل)

اب ادھر کا حال سنئے۔ عمرو بن ود نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہم کہاں تک محاصرہ کئے رہیں گے۔ ہم ہیں اب تاب ضبط باقی نہیں۔ چلو خندق پھاند کر حملہ کریں۔ غرض چند آدمیوں کو لے کر اچانک ایک دروازے سے اس پار پہنچا اور اپنا نیزہ گاڑ کر جوش شجاعت میں گھوڑا کد لے لگا۔ اور مقابل طلب ہوا۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے پوچھا سب نے اپنے سر جھکائیے مگر حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اور دوبارہ آواز دی پھر سب کے سب چپ ہو رہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا حضرت کس کو اپنی جان دو بھر رہے کہ اس کے مقابلے کو جائے، میں ایک دفعہ اس کے ساتھ سفر میں تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا۔ کہ ایک ہزار آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تو اس نے اپنے اونٹ کی سپر بنائی۔

اور ایک کھجور کے درخت کا حربہ بنا کر ان پر حملہ آور ہوا اور سب کو مار بھگایا اور ان کو لوٹ بھی لیا یہ سن کر اصحاب پر جو اثر پڑا وہ ظاہر ہے۔ غرض سوائے حضرت علیؓ کے اور کوئی تیار نہ ہوا، آپ نے فرمایا اے علیؓ! یہ عمرو بن ود ہے۔ عرض کی اگر وہ عمرو ہے تو میں بھی علی ہوں۔ غرض تین دفعہ پوچھنے کے بعد اپنی زرہ حضرت علیؓ کو پہنائی، اپنا عمامہ باندھا۔ اور اپنی تلوار دی اور رخصت کر کے دعا کی۔ خداوند! تو اس کا ہر طرف سے نگہبان رہنا، خدایا! میرے تین مددگار تھے۔ عبیدہؓ کو تو نے جنگ بدر میں اٹھالیا اور حمزہؓ کو احد میں اب یہی ایک باقی رہ گیا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے۔ غرض جناب امیر اس کے پاس پہنچے تو پہلے اس نے آپ کے مقابلہ سے انکار کیا بعد ازاں وہ مقابل ہلٹو دونوں میں حملے پر حملے ہوتے رہے اور اس قدر بخار بلند ہوا کہ دونوں چھپ گئے۔ آخر اس نے ایک دار کیا جو آپ نے سپر پر روکا۔ مگر اس پر بھی کچھ سر زخمی ہو گیا۔ پھر آپ نے زخم باندھ کر ایک دار کیا۔ تو اس کا پاؤں کٹا۔ اور گرا۔ آپ نے فوراً اس کے سینہ پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹا۔ اور نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کا سر لئے حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی حملہ کے بارے

جہادوں کا ہے تین جماعتوں کی صفات کسی فرد واحد کے ساتھ
بے مخصوص ہو گئیں۔

سورہ مائدہ کی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ
اٰمَنُوْا عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي

اَللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَہ
اٰذَلَّةً عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اَعَزَّة

اَللّٰهُ عَلٰی الْكَافِرِيْنَ۔ يَجَاهِدُوْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

اَلْمَوْتَ۔ ذٰلِكَ فَضَلُ
اَللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَشَاءُ۔ وَاللّٰهُ

وَسَّعُ حَلِيْمٌ۔
کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

ملامت کرنے والے کی ملامت کی
کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ یہ خدا کا فضل

و کرم وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور
خدا تو ہر مہمی گنجائش والا واقف کار

ہے (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ جب فتنہ ارتداد
اٹھنا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان مرتدین کے مقابلے میں ایک ایسی قوم

میں رسالتاً ۳ نے فرمایا تھا۔ "ضربة على يوم المحدث
افضل من عبادة الثقلين الى يوم القيمة" خندق کے
روز علی کی ضربت جن وانس کی عبادت سے قیامت تک افضل
ہے۔ عمرو بن ود کے قتل ہونے کے بعد اس کے
ساتھی تتر بتر ہو گئے" (۵۳)

۹۳

یجیے جنگ خندق بھی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑی اور یہ
بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
اکھوتے مددگار تھے۔ ان کے سوا آپ کا کوئی مددگار نہ تھا اور
یہ بھی کہ سارے جن وانس کی عبادت ایک ضربت علی رضی اللہ عنہ کا پانگ
نہیں۔ لاحمل ولا قوة الا باللہ۔

۵۔ سورہ التوبہ کی آیت ۱۱۰ والسابقون الاولون من
الساجدين والانصار۔ (الایۃ) میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی
تین جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سابقین اولین مجاہدین والنصار۔ اور
ان کے متبعین بالاحسان۔ اور ان تینوں جماعتوں کے لئے دنیا میں
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی بشارت کا اور آخرت میں دائمی
جنت کا اعلان فرمایا ہے۔ لیکن جناب مصنف کے نزدیک ساری فضیلت صرف
علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے وہ لکھتے ہیں:-

"خلاصہ یہ کہ ان صفات کے مستحق اصلی طور پر حضرت علی
ہی ہیں" (۳۶۲)

چونکہ مصنف کو قرآن کریم کی تفسیر میں بھی افسانہ نگاری مقصود
ہے اس لئے انہیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں ذکر تین

ہے جو سب پر غالب آکر رہی اسی جماعت کے ایک فرد حضرت علیؓ کم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ لیکن جناب مصنف ان آیات کو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں چنانچہ پہلی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اگرچہ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ اور بعض اقوال کے موافق حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو جو صفات خداوند عالم نے اس آیت میں بیان کئے ہیں اس کا سچا مصداق آپ کے سوا اصحاب رسولؐ میں دوسرا نہیں ہو سکتا“ (مشنہ)

اور دوسری آیت کے تحت لکھتے ہیں:-

”یہ آیت باتفاق مفسرین شیعہ و سنی موافق و مخالف، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے تصریحی طور پر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت و واضح ہوتا ہے جب آپ نے حالت رکوع میں سائل کو انگشتری دی (ص ۲۰۹) یہ روایت تو رافضیوں کی تصنیف ہے جس کے سہارے جناب مصنف اس آیت کو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر نص صریح فرما رہے ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان آیات میں جس فتنہ ارتداد کی خبر دی گئی ہے اور جس کے مقابلہ میں ایک قوم کو لانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور جسے ”حزب اللہ“ کہہ کر ان کے غلبہ کی بشارت دی گئی ہے۔ وہ فتنہ ارتداد کو نسا تھا۔ جو کس نے ان مرتدین

سخت گیر اور غالب ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرتدین سے جہاد کریں گے اور کسی کی ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کریں گے۔ یہ فتنہ ارتداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں رونما ہوا جب بنو حنیفہ میں مسلمانوں نے، بنو اسد میں طلیحہ اسدی نے اور یمن میں اسود عتسی نے دعویٰ نبوت کیا اور بہت سی مخلوق کو اپنے ساتھ ملا لیا پھر وصال نبویؐ کے بعد عرب کے بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، یہ اسلامی تاریخ میں پہلا فتنہ ارتداد تھا۔ جس کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے نہایت پامردی سے کیا جس سے سفید صبح کی طرح واضح ہو گیا کہ آیت بالا میں اسی جماعت کے بردے کار لانے کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور یہ کہ اس سے اگلی دو آیتیں بھی حضرت ابوبکرؓ اور ان کی جماعت سے متعلق ہیں:

انما وليكم الله ورسوله تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس والذین امنوا الذین یقیمون کے رسولؐ اور ایمان دار لوگ ہیں جو الصلوٰۃ دیوتون الزکوٰۃ وھم کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں راکعون۔ ومن یتول الله ورسوله اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا والذین امنوا فان حزب اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی اللہ ھم الغالبون رکھے گا۔ اور اس کے رسولؐ سے اور ایمان دار لوگوں سے، سو اللہ کا گروہ بلا شک غالب ہے۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جماعت ”حزب اللہ“

کا مقابلہ کیا؟ اور حزب اللہ کی حیثیت سے کون غالب آیا؟ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت تھی۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

۷۔ سورہ فتح کی آخری آیت (محمد رسول اللہ والذین معہ) (الآیۃ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کے ثبوت میں آپ کے رفقاء کی صفات غیر کا تذکرہ کر کے آخر میں فرمایا گیا لیغیظ بہم الکفار اور اتنی (جلد ترقی اس لئے دی) تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلانے۔
(ترجمہ حرمان علی)

جناب مصنف کے نزدیک اس آیت کے مصداق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:-

”یہ تمام صفتیں جس میں پائی جاتی ہیں وہی اس کا مستحق ہے۔ چونکہ بقول رسول اللہ اس کے بعد کی آیت (بعد کی آیت سے مراد شاید آیت کا آخری حصہ ہے) ناقل (علی بن ابی طالب کی شان میں ہے لہذا قرینہ یہ کہتا ہے کہ یہ بھی انہی کے یا ان کے مثل جو ان تمام صفات سے مستصف ہوں۔ ان کی شان میں ہے۔ اللہ بس باقی ہو“ (۹۳)

قرآن کریم نے تو ”والذین معہ“ کی تعریفیں فرمائی ہیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یقیناً ان کا مصداق ہیں اور جن اکابر کو آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہے

وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس کا مصداق ہیں۔ اور جو لوگ ”والذین معہ“ سے جلتے ہیں وہ ارشاد خداوندی لیغیظ بہم الکفار (تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کا جی جلانے) کے زمرے میں آتے ہیں۔

۸۔ اسی آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا ہے:-
وعد اللہ الذین امنوا جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتے وعملوا الصالحات منہم رہے خدا نے ان سے بخشش اور اجر مغفورہ واجراً عظیماً۔ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔
جناب مصنف اس آیت کے لئے مندرجہ ذیل افسانہ تصنیف کیا ہے:-

”ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر کچھ لوگوں نے حضرت رسولؐ سے پوچھا کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن نور کا ایک علم (لواء حمد) تیار ہوگا۔ اور ایک منادی آواز دے گا۔ کہ سید المؤمنین اور مؤمنین کھڑے ہو جائیں۔ یہ سن کر علی بن ابی طالب کھڑے ہو جائیں گے تو ان کے ہاتھ میں وہ علم دیا جائے گا۔ اس کے نیچے ہاجرین و انصار میں سے وہ مؤمنین جو سابقین اولین ہیں سب کے سب جمع ہو جائیں گے اور ان میں ان کے سوا کوئی اور نہ ہوگا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ ایک نور کے ممبر پر بیٹھیں گے اور ایک ایک کر کے سب لوگ ان کے سامنے پیش کئے جائیں

د: شیعہ اور آل رسول

شیعہ جو حُب علیؑ میں غلو کرتے اور ان کی مدح میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں اس کا منشاء، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اسلام کے خلاف اپنی نفرت و بغض کا اظہار ہے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی مظلومیت کی جو فرضی تصویر شیعہ کھینچتے ہیں اس سے خود حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے اور ان کے کمال پر پانی پھر جاتا ہے۔ مثلاً:-

○ انہوں نے ۲۵ برس تک منافقوں اور مرتدوں کی امامت میں نمازیں پڑھیں اور تمام دینی و دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ شریک رہے

○ ان کی گردن میں رستی ڈال کر انہیں بیعت کے لئے کھیٹا گیا۔ اور ان سے یہ جبر بیعت لی گئی۔

○ ان کی زوجہ مطہرہ خاتون جنت پر کوڑے برسائے گئے۔ ان کا حمل ساقط کر دیا گیا اور ان کا گھر جلا دیا گیا۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلیفہ بلا فصل نامزد کیا تھا مگر کسی نے ان کو خلیفہ بنانا پسند نہ کیا۔

○ اپنی زوجہ مطہرہ خاتون جنت کو گدھے پر سوار کر کے مہاجرین و انصار کے ایک ایک دروازے پر لئے پھرے مگر سوائے

گے اور یہ ہر ایک کو اہل اجر اور نور عطا کریں گے جب آخر شخص کی نوبت عطا آئے گی۔ تو ان لوگوں سے کہا جائے گا تم لوگوں نے اپنے اپنے مقام منزلت کو جنت میں دیکھا۔ تمہارے پروردگار نے تو تم سے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ میری بارگاہ تمہارے لئے مغفرت اور اجر عظیم یعنی بہشت ہے۔ پھر علیؑ انھیں گے۔ اور یہ سب مومنین ان کے علم کے نیچے ہوں گے پھر ان سب کو جنت میں جا پہنچائیں گے۔ پھر اپنے منبر کی طرف پلٹیں گے۔ اور برابر مومنین ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کے ہاتھ سے بہشت کا اپنا اپنا حصہ لیں گے اس کے بعد کچھ لوگوں کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ یہی مطلب ہے خدا کے قول الذین آمنوا لا یؤمنون اور الذین کفروا وکذبوا بایماننا اولئک اصحاب الجحیم کا، یعنی علیؑ کے حق کی ولایت کی وجہ سے لوگ جنت و جہنم کے مستحق ہوں گے اور ان کا حق سارے جہاں پر واجب ہے (دیکھو شواہد التنزیل حاکم ابوالقاسم عسکانی: ۹۲۵)

یعنی اجر و نور اور جنت و دوزخ سب علیؑ کے قبضہ میں ہے جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں۔ صد شکر سابقین اولین مہاجرین و انصار (جن میں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے پہلے شامل ہیں) سید المومنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ اور ان کے دشمن و ملن بھی "لیغیظ ہم الکفار" کا منظر پیش کریں گے۔

تین کے کسی نے ان کی بات نہ مانی۔

○ قرآن کریم میں ان کے سامنے تحریف کی گئی۔ اسے پارہ پارہ کیا گیا۔ اسے جلایا گیا مگر وہ ردائے تقیہ اوڑھے رہے۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کو کفر اور نفاق کی طرف پلٹے دیکھا۔ مگر ان کی ہدایت کے لئے کچھ نہ کہا۔

○ ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر ظلم و جور کے پہاڑ ڈھائے گئے، ان کا حق چھینا گیا، مگر آپ کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ تا آنکہ ملایا قرمجلسی کے بقول حضرت خاتونِ جنت نے انہیں یہ کہہ کر غیرت دلانا چاہی۔

مانند جنبیدہ در رحم پرودہ نشین تو بیٹ کے بچے کی طرح شدہ و مثل خائسان درخانہ گریختہ پردہ نشین ہو گیا ہے اور غاصبوں

و بعد ازاں کہ شجاعانِ دیر را کی طرح گھر میں بھاگ آیا ہے اور بھاگ بھاگ انگلند می مغلوب بعد اس کے کہ زمانے کے سواروں ایں نامرداں گردیدہ۔ کو خاک ہلاک میں ڈالا۔ ان نامردوں (حق الیقین ص ۲ - مطبوعہ ایران) سے مغلوب ہو گیا ہے۔

مگر آپ کو پھر بھی انگیت نہ ہوئی اور حد یہ کہ خود اپنے دورِ خلافت میں بھی آلِ رسول کا حق ان کو نہ دلایا۔ شیعوں نے آلِ رسول کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے جو فرضی واقعات تصنیف کئے ہیں ان سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو شخصیت سامنے آتی ہے، اسے کوئی شخص بھی اپنے لئے پسند نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس گھناؤنی تصویق

کو پسندیدہ کیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما سے بظاہر شیعہ نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کے باطنی کمالات اور ان کی پرکشش شخصیت کے ایسے قائل ہیں کہ باید و شاید مثلاً:-

○ اہل عرب جو کسی کے مطیع اور فرمانبردار بن کر رہنا چاہتے ہی نہ تھے۔ ان حضرات نے ان کو ایسا مسخر کیا کہ بس انہی کے ہو کر رہ گئے اور ۲۵ برس کے عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئے،

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے تیار کرنے میں تیس سال لگے تھے، مگر ان حضرات نے چشمِ زدن میں اہل اسلام کو اپنے ساتھ ملایا۔ مسلمان ان حضرات کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ کے مجمع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر نص کی تھی، مگر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خلیفہ نہ بننے دیا، ان کا یہ کارنامہ ایک معجزے سے کم نہیں کہ مختلف قبائل اور مختلف عادات کے ایک لاکھ انسانوں کو اس نص سے ٹکرا دیا۔ اور لاکھ انسانوں کے مجمع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو چار ہزار حمایتوں کا میسر آنا بھی ناممکن بنا دیا۔

○ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کے مقابلہ میں نیا قرآن بھی تصنیف کر لیا، اور تمام لوگ حتیٰ کہ خود حضرت علیؓ اور ان کے بعد آئمہ معصومین بھی بڑے ذوق و

و شوق سے اس نے تصنیف شدہ قرآن کی تلاوت کر کے ثواب کمانے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو "اسلمی تے وڈا قرآن" مرتب کیا تھا۔ وہ دنیا کی نظر سے روپوش کر دیا۔

○ ان حضرات کا ایک بڑا ہی حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ وہ آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش رحمت میں آسودہ ہیں۔ وہ "صاحب غار" بھی تھے اور آج تک "صاحب مزار" بھی ہیں۔

○ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ ان حضرات نے جو منہاج خلافت قائم کر دیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دور خلافت میں اس منہاج سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہیں جاسکے، فک کی جو کیفیت ان حضرات کے زمانے میں تھی وہی رہی۔ جو اذان ان کے زمانے میں دی جاتی تھی۔ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دی جاتی رہی۔ (شیعوں کی اذان جاری نہ کر سکے) تراویح پر پابندی عائد نہ کر سکے۔ اور منہج شریف جیسی پاک اور مقدس چیز کو رواج نہ دے سکے۔ الغرض شیعیان کے زمانے کا منہاج و دستور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں بھی جاری رہا۔

اب شیعی عقائد کی روشنی میں حضرات شیعیان رضی اللہ عنہم کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے تو شیعیان رضی اللہ عنہم امام الائمہ تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے تو شیعیان کو شاید عصمت سے بھی بڑھ کر کوئی مقام حاصل تھا۔ اور اگر حضرت علی صاحب معجزہ تھے۔ تو شیعیان کی معجزہ نمائی ان

سے کہیں بڑھ کر تھی۔

واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ معصوم تھے۔ نہ خلیفہ بلا فصل تھے، نہ صاحب معجزہ تھے۔ نہ ان کے اور حضرات شیعیان کے درمیان کوئی منافرت تھی، سب باہم شیر و شکر تھے۔ شیعیان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے تمام معاملات میں مشر و وزیر تھے۔ شیعوں نے شیعیان کو بدنام کرنے کے لئے جو فرضی کہانیاں تصنیف کی ہیں۔ وہ درحقیقت حضرات شیعیان رضی اللہ عنہم کو نہیں بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بدنام کرنے کے لئے ہیں۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں شیعوں کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے۔ وہ نہج البلاغہ کے خطبات سے واضح ہیں۔ آپ بار بار ان کی خیانت و بے وفائی کی شکایتیں فرماتے ہیں اور ان کے حق میں بد دعائیں دیتے ہیں۔ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اول ص ۷۷ میں ہے:

"مجھے خبر ملی ہے کہ بُسر نے یمن پر چڑھائی کی ہے، اور میں خدا کی قسم گمان کرتا ہوں کہ یہ لوگ تم سے بازی لے جائیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے باطل پر متفق ہیں اور تم اپنے حق پر متفق ہو تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کی باطل میں بھی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ اپنے صاحب کے ساتھ امانت داری کرتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو اگر میں تم میں سے کسی کے پاس ایک قعب امانت رکھواؤں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ اس کی

دستی لے جائے۔ اے اللہ! میں نے ان کو عاجز و
 رنجیدہ کر دیا اور انہوں نے مجھے۔ لہذا مجھے ان کے
 عوض (آپ) اچھے لوگ دے اور ان کو میرے عوض میں
 مجھ سے برا حاکم دے۔ اے اللہ! ان کو گھلا دے
 جیسے پانی میں نمک گھلا دیا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم!
 میں یہ آرزو کرتا ہوں کہ کاش مجھے تمہارے عوض
 میں ایک ہزار سوار قبیلہ بنی فراس بن غنم کے ملجائے!
 اس قسم کی بہت سی شکایتیں اور بد دعائیں شیعوں کے
 حق میں فرمائیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلاف شیعہ، جو خود
 حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مصاحب و رفیق تھیں کے دل میں
 حضرت کا ذرا بھی احترام نہیں تھا۔ حضرت امیرؓ ان کو نافرمان
 بے وفا، بزدل، خائن، مقصد، حید باز، بد عہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت
 وغیرہ کے خطابات دیتے تھے، ان شیعوں کی بدولت اپنی
 زندگی سے تنگ آ گئے تھے۔ اور شیعوں کے مقابلہ میں حضرت
 معاویہؓ کے لوگوں کو لائق رشک فرماتے تھے۔ اگر حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کی عزت و حرمت اسلاف شیعہ کے دلوں میں
 ہوتی تو حضرت ان کے رویے سے نالاں و شکوہ کنان نہ ہوتے
 اور جب اسلاف شیعہ کا یہ حال تھا تو اخلاف شیعہ کا کیا حال
 ہو گا۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد سبط اکبر رضی اللہ عنہ الرسول
 حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے، شیعوں نے ان کو

اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
 سے صلح کر لی۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ احتجاج طبرسی
 مطبوعہ ایران ص ۱۴۸ میں ہے:

"زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب امام
 حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان
 کے پاس گیا اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی۔ میں
 نے کہا اے فرزند رسول! آپ کی کیا رائے ہے۔ لوگ
 بہت متحیر ہو رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں
 معاویہؓ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں جو
 اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں انہوں نے میرے قتل کا
 ارادہ کیا، میرا اسباب لوٹا اور میرا مال لے لیا۔ اللہ
 کی قسم! میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے
 میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ
 بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے
 متعلقین ضائع ہو جائیں۔ واللہ! اگر میں معاویہؓ سے
 لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے حوالے
 کر دیتے۔ واللہ عزت کے ساتھ معاویہؓ سے صلح
 کر لینا اس سے بہتر ہے کہ مجھے گرفتار کر کے قتل کریں
 یا احسان رکھ کر آزاد کریں۔ یہ احسان ان کا بنو ہاشم
 پر قیامت تک رہے گا۔ اور معاویہؓ برابر اس احسان
 کا اظہار ہمارے زندہ و مردہ پر کرتے رہیں گے"

اس سے واضح ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شیعوں سے بہتر تھے۔ شیعہ حضرت امام کے قتل کے درپے تھے اور پیکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر حبشہ پر آمادہ تھے۔ آپ کو مارنا پٹینا۔ ماں اسباب لوٹ لینا اور خواتین اہل بیت کی بے حرمتی کرنا توشیعوں کے معمولی کارنامے تھے۔

۴۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد سبط اصغر ریحانۃ الرسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کر بلا کے ساتھ توشیعوں کی بے وفائی دے عہدی شہرہ آفاق ہے کہ ان کو خطوط کے انبار بھیج کر کوفہ بلوایا اور ان کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ان غداروں نے بیعت توڑ کر ان کو شہید کر دیا۔ ملا باقر مجلسی جلاء العیون میں حضرت امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں:-

”پھر لوگوں نے ان کے فرزند امام حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اور بیعت کے بعد بد عہدی کی اور مکر کیا اور چاہا کہ ان کو دشمن کے حوالے کر دیں اور اہل عراق ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے پہلو میں خنجر مارا اور ان کا خیمہ لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ آپ کی لونڈیوں کے پاؤں سے خلخال (پازیب) اتار لیں اور آپ کو مجبور کر دیا حتیٰ کہ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور اپنی اور اپنے اہل بیت کی جانوں کی حفاظت کر لی۔ اہل بیت ان کے بہت تھوڑے تھے پھر منیل ہزار اہل عراق نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی

اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی انہوں نے ان پر تلوار چلائی اور آنحضرتؐ کی بیعت ان کی گردن میں تھی کہ آپ کو شہید کر دیا“ (بحوالہ قائلان حسین کی خانہ تلاشی صفحہ ۵)۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے شیعوں کی غداری نے بعد کے ائمہ کو ایسا شکستہ دل کر دیا کہ انہوں نے خلافت کے خیال ہی سے دست برداری حاصل کر لی۔ احتجاج طبرسی ص ۱۵۵ میں ہے کہ جب حضرت امام حسین کے قتل کے بعد شیعوں نے امام زین العابدینؑ کو فریب دینا چاہا اور ان سے اپنی اطاعت و جانشاری کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا:-

”ہم بہات! ہم بہات! لے غدارو! مکارو! تمہاری مرادیں پوری نہ ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی فریب دو۔ جیسے تم نے میرے باپ دادا کو اس سے قبل فریب دیا۔ ہرگز نہیں! قسم ہے گردش والے آسمان کے رب کی، ابھی تک میرے والد کی شہادت کا زخم مندمل نہیں ہوا“

ان حوالہ جات سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں:-

اول: شیعوں کے ان بزرگوں سے، جن کو وہ آئمہ معصومین کہتے ہیں۔ کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ کوئی عقیدت ہے بلکہ یہ ہمیشہ ان بزرگوں کی بے حرمتی کرتے اور ان کی بد دعاؤں کے انبار جمع کرتے رہے ہیں۔ یہ ہر مجلس میں رونا چلانا، بین کرنا انہی اکابر کی بد دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ جو شیعوں کو نصیب ہیں۔

دوم: یہ بزرگان دین شیعوں پر قطعاً اعتماد نہ کرتے تھے بلکہ ان کو

مفسد و مکار اور اپنے اہل بیت کے قاتل جانتے تھے۔

سوم: حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہت ہی بڑا احسان کیا۔ کہ شروع ہی سے خلافت ان کے حوالے نہیں کی۔ اور ان کے ۲۵ برس عافیت سے گزر گئے۔ ورنہ شیعوں کی بے وفائی و غداری ان کو شروع سے مبتلا عذاب رکھی۔ اور وہ بہت پہلے شیعوں کے ہاتھوں موت کی تمنائیں کرنے لگتے۔

چہارم: حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم اگر شیعوں کے امام اول کے امام تھے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے امام دوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے امام ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے بطور درغبت بیعت کی۔

۱۰۹

خوش فہمیاں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے ساتھ شیعوں نے جو حسن سلوک کیا اور ان بزرگوں نے اس کے صلہ میں شیعوں کو جو خطابات دیئے اور جن دعاؤں سے نوازا وہ اوپر کی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن شیعوں کو خوش فہمی ہے کہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا، اکابر صحابہ کو گالیاں دینا، ائمہ کو ستانا اور ان کی بد دعائیں لینا بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس لئے قیامت کے دن صرف شیعوں کی سبقت ہوگی۔ جناب مصنف نے بھی ان خوش فہمیوں کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ بطور نمونہ چند حوالے

ملاحظہ ہوں :

۱- سورة الفجر کی آخری آیتوں (ایاتھا النفس المطمئنتہ الی آخرہ) کے تحت مصنف لکھتے ہیں:-

”اصول کافی سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیعان علی بن ابی طالب کا اس سے گہرا تعلق ہے ان کا نفس متضرر کے وقت مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موقع پر ان کے زیر نظر حضرات چہارہ معصومین کی نورانی شکلیں ہوتی ہیں۔ قبض روح کے موقع پر ان کی روح سے کہا جاتا ہے کہ خوش و خرم باہر آ جا۔ اور لمے عبد خدا محمد وال محمد کی صف میں شامل ہو جا! (منہا)

سبحان اللہ! کیا بشارت ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سراپا جفا و عنف تھیں، شیعہ (نامحرم ہونے کے باوجود) ان کی بھی زیارت کریں گے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شیعوں کو اطمینان کی یہ دولت کس نیک عمل کی بدولت نصیب ہوگی۔ شاید اس لئے کہ انہوں نے ائمہ کو ساری عمر بے چین رکھا۔ اور ان سے بد دعائیں لیں۔

۲- ”علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضرت رسول سے

روایت کی ہے کہ آپ نے جناب امیر سے فرمایا کہ اے علیؓ تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر سیر و سیراب نورانی صورت ہو گے۔ اور دشمن پیاسے زد رو دہاں سے نکالے جائیں گے۔ (۱۵۸)

اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت علیؓ کے دوستوں سے مراد
مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین ہیں اور دشمنوں سے مراد وہ
لوگ ہو سکتے ہیں جن کو حضرت علیؓ نے خان و مکار فرما کر
بد دعائیں دی تھیں۔

۳۔ "ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول
ہے کہ آپ نے فرمایا واللہ شفاعت کے واسطے
خدا نے ہمیں اجازت دی ہے اور ہم اہل بیت
اور خاص لوگوں کے سوا کوئی بغیر اذن سفارش نہ کر
سکے گا۔ اور ہم ہی حق بات کہنے والے ہیں کسی
نے پوچھا، فرزند رسول! اس وقت آپ کیا بات فرمائی
گئے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی تسبیح۔ اپنے رسول پر صلوٰۃ،
اپنے شیعوں کی سفارش۔ (منہل)

سبحان اللہ! شیعوں کے کیا مراتب ہیں کہ شیعوں کی شفاعت
کے لئے اماموں کو خدا سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں،
شاید اس لئے کہ جنت و دوزخ اماموں کے اپنے قبضہ میں ہو
گی۔ جیسا کہ "القیافہ فی جہنم کل کفار عنیدہ" کے ذیل میں مصنف
نے لکھا ہے:

۴۔ ملا باقر مجلسی نے حق الیقین میں امام جعفر صادق کی
طرف منسوب تیرہ صفحے کی ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ اس
کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

"مفضل نے پوچھا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کا

کیا گناہ تھا جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے
ہیں۔ لیغفرک اللہ ماتقدم من ذنبک وما
تأخرہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بخش دئے
آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ؟

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: مفضل!
رسول خدا نے دعا کی تھی کہ اے خداوند! میرے بھائی
علی بن ابی طالب کے شیعوں کے اور میرے فرزندوں
جو کہ میرے اوصیاء ہیں۔ ان کے شیعوں کے سارے
اگلے پچھلے گناہ، جو قیامت تک ہوں گے، مجھ پر ٹال
دے۔ اور مجھے پیغمبروں کے درمیان شیعوں کے
گناہوں کی وجہ سے رسوا نہ فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے
شیعوں کے سارے گناہ آنحضرتؐ پر لاد دئے اور
وہ سارے گناہ آنحضرتؐ کے لئے بخش دئے۔ (مسند)

آگے روایت میں ذکر کیا گیا کہ اے مفضل! یہ بشارت سرف
تمہارے ^{نہیں} شیعوں کے لئے ہے، ان لوگوں کے لئے نہیں جو
شیعہ کہلا کر گناہوں پر اقدام کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے "ولا تنذر
واذرة ذرأ آخری" کا اصول پیش کیا تھا چونکہ شیعوں کو ہر چیز
میں قرآن کریم کی مخالفت مقصود ہے اس لئے ناممکن تھا کہ وہ
بھی عیسائیوں کی طرح کفارے کا عقیدہ ایجاد نہ کرتے۔ وسیعہ
الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

قطعا باطل اور فیصلہ خداوندی کے خلاف ہے۔ بانیان مذہب شیعہ نے سادہ توضیح کو رام کرنے کے لئے عقیدہ رجعت گھڑا، اگرگزشتہ واقعات کی دنیا میں ان بزرگوں کو خلافت نہیں ملی تو کیا ہوا۔ قیامت سے پہلے ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور وہ خلافت کی کسر نکالیں گے مگر شیعوں کی یہ طفل تسلی فارسی مثل "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکات خود باید زد" کی مصداق ہے۔

○ شیعہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو ظالم و غاصب مشہور کرتے ہیں مگر دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آیت تمکین وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض" (نور) کے تحت ایسی خلافت و تمکین عطا فرمائی کہ انہوں نے یہود و مجوس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ قیصر و کسریٰ کے تحت الہدیث اور قلیل مدت میں اسلام کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرا دیا۔ بانیان مذہب شیعہ (یہود و مجوس) کو ان حضرات سے اسی اسلامی شوکت کی بنیاد پر عداوت تھی۔ اس لئے رجعت کا عقیدہ گھڑا گیا، تاکہ یہود و مجوس کا انتقام ان اکابر سے لیا جاسکے۔

○ شیعوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی وجہ سے اہل بیت نبوی سے بھی عداوت ہے، اس عداوت کے اظہار کے لئے عقیدہ رجعت ایجاد کیا گیا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کر کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جائے گی۔ اور آپ کو مزید رسوا کرنے کے لئے شیعہ آپ کی بیویوں کو آپ کے سامنے کوڑے لگائیں گے۔ نفوذِ بائس

اہل تشیع اگر عقل و فہم کی نعمت سے بہرہ ور رہیں تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں کیا ان کے کفر و نفاق اور الحاد و زندقہ میں کوئی شک ہے؟

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔ وصلو

اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید محمد وعلی آلہ

و اصحابہ و اتباعہ اجمعین۔

محمد بن عبد اللہ

۳۰/۵/۱۴۰۲ھ